سوگوارِ شباب از جناب مجنون گورکھپوری تقطیع بڑی ضخامت ۱۳۶ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت غیر مجلد ۱۲؍ مجلد عہ پتہ ایوانِ اشاعت گورکھپور،

جناب مجنون گورکھپوری کا یہ افسانہ رسالہ ایوان مین مسلسل نکل چکا ہے، اب انھون نے اُسے کتابی شکل دیدی ہے، مصنف ٹامس ہارڈی سے بہت متاثر ہین، اسلئے اسکی رومانیت اور قنوطیت ان کے افسانون کی خصوصیت بن گئی ہے، یہ افسانہ بھی ہارڈی کے ایک ناول (Two on A Tower) کے مطالعہ کے اثر کا نتیجہ اور رومانیت اور قنوطیت کے لطیف امتزاج کا دلکش المیہ نمونہ ہے، اس مین مصنف کی فسانہ نگاری کی تمام خصوصیات نمایان ہین، افسانہ کا پلاٹ بھی بہتر ہے، اور مصنف کے قلم کی رنگ آمیزی نے اس کو اور زیادہ دلکش اور مؤثر بنا دیا ہے، حسن کی رعنائیون عشق کی شورش دپاکیزگی فطری جذبات کے مد و جزر، نسوانی کردار کی بلندی اس کے ایثار و قربانی، حرمان و نامرادی واردات محبت کی تمام وجدانی کیفیتون کو نہایت موثر پیرایہ مین بیان کیا گیا ہے، مصنف نے مشتاق اور سائرہ دونون کی سیرتون مین توازن قائم رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن مشتاق کے مقابلہ مین سائرہ کا اخلاقی پایہ علانیہ بلند نظر آتا ہے، یہ افسانہ پلاٹ کی خوبی اور ادبی حیثیت دونون لحاظ سے پڑھنے کے لائق ہے،

آسان اردو، شائع کردہ انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۵۸ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸؍ پتہ انجمن ترقی اردو جوبلی ہل بنجارا روڈ حیدرآباد دکن،

بالغون کی تعلیم کے سلسلہ مین جو کتابین لکھی گئی ہین ان مین عموماً بچون کے ذوق کے قصے اور کہانیان ہین جن سے تعلیمی مقصد تو حاصل ہو جاتا ہے، لیکن معلومات مین کوئی اضافہ نہین ہوتا، اس پہلو کو پیش نظر رکھکر یہ رسالہ لکھا گیا ہے، چنانچہ اس مین مختلف زمانون کے آٹھ بڑے اور تاریخی اشخاص کے حالات ہین چند اصلاحی افسانے اور دورِ جدید کی بعض اہم ایجادات کا مختصر حال، اور آخر مین چند مفید نظمین ہین زبان سادہ اور آسان ہے، بچون اور بالغون دونون کے لئے یہ رسالہ مفید ہے، "م"

"جلد ۴۸" ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۱ء "عدد ۳"

مضامین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات،	سید سلیمان ندوی،	۱۶۲-۱۶۴
دونون جہاں کی بادشاہی،	"	۱۶۵-۱۷۰
حافظ جلال الدین سیوطی،	مولوی محمد اویس صاحب ندوی، نگرامی رفیق دار المصنفین،	۱۷۱-۱۸۵
محسن کاکوروی اوران کی خصوصیات،	جناب محمد ابو اللیث صاحب صدیقی بدایونی لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈہ	۱۸۶-۲۰۵
مجمع النفائس،	جناب اقبال انصاری ایم اے ریسرچ اسکالر پی ایچ ڈی لکھنؤ یونیورسٹی،	۲۰۶-۲۱۷
عربی زبان کے جدید رجحانات،	"ص ع"	۲۱۸-۲۲۵
اخبار علمیہ،	"	۲۲۶-۲۲۸
جبریل و ابلیس،	پروفیسر محمد اکبر منیر ایم اے،	۲۲۹-۲۳۵
مطبوعات جدیدہ،	"م"	۲۳۶-۲۴۰

شذرات

علی گڈہ مسلم یونیورسٹی میں ایک "ہسٹاریکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" کی بنیاد ڈالی گئی ہے، جس کا مقصد اسلامی تاریخ پر مستند اور محققانہ کتابوں کی اشاعت ہے، اس سلسلہ میں ہندوستان میں عہد اسلامی میں طریقِ عدالت کی تاریخ پر ایک انگریزی کتاب شائع ہوئی ہے، اس کتاب پر جو ریویو نکلے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے مباحث خاص اہمیت رکھتے ہیں،

یہ سنکر بھی خوشی ہوئی کہ اس انسٹی ٹیوٹ کی مالی امداد کے لئے نواب صدر یار جنگ بہادر نے پچاس روپے ماہوار منظور کئے ہیں، اور نواب مزمل اللہ خاں مرحوم کی ریاست کی طرف سے یکمشت چھ ہزار کی رقم عنایت ہوئی، ان کے علاوہ جناب محمد بشیر احمد صاحب آئی سی ایس نے دو سو پینتیس روپے پیش کئے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ اِن اوسوں پیاس نہیں بجھ سکتی، ضرورت ہے کہ کم ازکم پچاس ہزار کا سرمایہ اس کے لئے الگ کیا جائے، اور اس روپیہ کو صرف نام پر نہیں بلکہ کام پر خرچ کیا جائے، اس مجلس کی انتظامیہ کمیٹی نے یہ بھی طے کیا ہے کہ جن مصنفوں کی کتابیں اس سلسلہ میں اشاعت کے لئے منظور کی جائینگی انکو انکی تصنیف کا معاوضہ بھی دیا جائیگا

ہماری رائے میں ابھی کمیٹی کو اس عالی ہمتی کی ضرورت تھی، اگر شروع میں طمع کے بجائے اخلاص کارفرما ہو تو بہتر ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس مجلس کے کام کو "عیش" کے طور پر نہیں

بلکہ کاروباری طور پر چلایا جائے، جس سے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہوجائے

رحمتِ عالمؐ کی فروخت کے سرمایہ میں بحمد اللہ کہ اس وقت تک تین ہزار چھ سو روپے دفتر میں جمع ہوگئے ہیں، کچھ سو مختلف شہروں میں ایجنٹوں کے پاس باقی ہوں گے، جس کے یہ معنی ہیں کہ اس مد میں چار ہزار کے قریب ہوجائیں گے، ابھی ۸۰۰ کے قریب جلدیں اور باقی ہیں، اگر احباب توجہ کریں تو چند ہی روز میں اس کے دوسرے اڈیشن کی ضرورت ہوجائیگی،

سب کو معلوم ہے کہ یہ پوری رقم مصارفِ طبع کی منہائی کے بعد جو کم و بیش ایک ہزار ہے، دار العلوم ندوہ کے چھوٹے بچوں کے دار الاقامہ کی تعمیر میں صرف ہوگی، اس عمارت کا مختصر سا نقشہ بن گیا ہے، جس میں ۱۳×۲۱ کے پانچ کمرے رکھے گئے ہیں، جن کا کم ازکم تخمینہ سات ہزار روپیہ ہوتا ہے، یعنی ہماری مد میں ابھی تین ہزار کی کمی ہے، کام تو بہرحال شروع ہوجائیگا جس خدا نے یہاں تک سامان کیا ہے وہ باقی کا بھی سامان کردے گا، انشاء اللہ تعالیٰ،

رحمتِ عالمؐ کے ہندی ترجمہ کی جو تجویز تھی خدا کا شکر ہے کہ وہ بھی عمل میں آرہی ہے، ہندی ترجمہ کا کام پورا ہوگیا اور وہ اس وقت جسٹس مولوی معین الدین صاحب انصاری (رامپور) کے پاس ہے، موصوف اس پر ہندی میں مقدمہ لکھنا چاہتے ہیں، وہاں سے آجائے تو وہ پریس میں بھیجدیا جائے، جن احباب نے اس کے چندہ میں حصہ لینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا ضرورت ہے کہ وہ اب ایفا بھی فرمائیں،

امسال دسمبر میں حیدرآباد میں ملک کی بڑی بڑی علمی و تعلیمی مجلسوں کے جلسے ہیں، آل انڈیا اورینٹل کانفرنس، انڈین ہسٹاریکل کانگریس، اور شاید علی گڈھ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے بھی اجلاس وہاں ہوں گے، امید ہے کہ ملک کے اہلِ علم اور اصحابِ کمال دور دور سے آکر اس میں شرکت کریں گے،

پنجاب کے بعض مسلمان اہلِ علم و اہلِ قلم اصحاب نے آل انڈیا مسلم ہسٹری کانگریس کی بنیاد ڈالی ہے، جس کا اجلاس آیندہ نومبر میں لاہور میں ہو رہا ہے، بہت سے اکابر کے نام اسکی دلچسپی اور ترتیب میں شامل ہیں، جن میں بعض ہمارے احباب بھی ہیں، جن کے اخلاص اور عمل سے بہت کچھ امیدیں ہیں،

———— ✲ ————

ادارۂ معارفِ اسلامیہ لاہور کا پچھلا اجلاس دہلی میں ہوا تھا، جس کی روداد یا چھپ گئی ہے یا چھپ رہی ہے، اور اس کے آیندہ اجلاس کی تجویز دار المصنفین اور طلباے قدیم ندوۃ العلماء کی دعوت پر لکھنؤ میں ہوئی تھی، لیکن جنگ کے ناگزیر اسباب کی بنا پر اب تک یہ اجلاس منعقد نہ ہو سکا، خیال ہے کہ جنگ کے خاتمہ کے انتظار میں اس جلسہ کو ملتوی نہ کیا جائے، اور ۱۹۴۲ء کے آغاز میں اپریل تک اس کے انعقاد کی کوشش کی جائے، امید ہے کہ دار المصنفین اور ندوۃ العلماء کے علاوہ مسلم یونیورسٹی اور لکھنؤ یونیورسٹی سے بھی اس میں امداد حاصل کی جائے، مصارف کا تخمینہ ہزار بارہ سو ہے،

مقالات

اسلام

دونوں جہان کی بادشاہی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا مین دین اور دنیا دونون کی برکتین لیکر آئے، آپنے صرف آسمانی بادشاہی کی خوشخبری نہین سُنائی، بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی تاکہ دنیا مین خدا کی بندگی بے خوف و خطر کیجا سکے، اور خدا کی بادشاہی دنیا مین قائم ہو،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی
الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی
ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ
خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ
بِیْ شَیْئًا ط

(نور - ۷)

خدا نے اون سے جو ایمان لائے اور اچھے
عمل کئے، یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کو زمین مین
حاکم بنائے گا جیسا کہ ان کو حاکم بنایا تھا جو
ان سے پہلے تھے، اور ان کے لئے ان کے
اس دین کو جس کو اوس نے ان کے واسطے
پسند کیا ہے جما دیگا اور ان کو ان کی اس
بے امنی کے بدلہ امن دیگا، میری بندگی
کرین گے، میرا کسی کو ساجھی نہ بنائین گے،

اوراس کے لئے خدا کے نافرمانون سے لڑائی لڑی جائے، تاکہ سارا حکم اوسی ایک کا ہوجائے،

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ
اوران سے لڑتے رہو، یہان تک کہ فساد

الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال - ۵)
نہ رہے، اورسب حکم اللہ کا ہوجائے،

قرآن نے خدا کے بعض نیک بندون کی دعا یہ بتائی ہے،

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي
اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا مین

الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ
بھلائی دے، اورآخرت مین بھلائی دے

النَّارِ (بقرہ - ۲۵)
اورہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا،

آخرت کی بھلائی تو معلوم ہے، لیکن دنیا کی بھلائی ہمارے مفسرون نے یہ بتائی ہے، علم وعبادت تندرستی، روزی، مال ودولت، فتح ونصرت، اولاد صالح، مگر یہ بھی خدا کے اطلاق کی تحدید ہے، دنیا کی بھلائی دنیا کی ہروہ بھلائی ہے، جو خدا کی شریعت مین جائز ہے، ایک اورجگہ فرمایا،

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا
اورجنھون نے نیک کام کئے ان کے لئے

حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ
دنیا مین بھلائی ہے، اورآخرت کا گھر

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ
سب سے اچھا ہے، اورپرہیزگارون

(نحل - ۴)
کا گھر کیسا اچھا ہے،

مقصود یہ ہے کہ نکوکارون کے لئے دنیا کی بھلائی اورعزت بھی ہے، اورآخرت کی بھی، لیکن آخرت کی بھلائی دنیا کی بھلائی سے زیادہ بہتر اورزیادہ خوب ہے،

جن لوگون نے خدا کی راہ مین اپنی جانون کی بازی لگائی ہے، ان کو بشارت ہے،

فَآتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ
تو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور

ثَوَابِ الْآخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ
آخرت کا بھلا ثواب عنایت کیا

الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران - ۱۵)
اوراللہ نیکی والون کو چاہتا ہے،

دنیا کا ثواب فتح ونصرت، ناموری وعزت، مال ودولت اورحکومت وسلطنت ہے،

جنھون نے خدا کی راہ مین اپنا گھر بار چھوڑا، اورخوشی خوشی ہرطرح کی تکلیف جھیلی، خدا نے ان کو دونون جہان کی نعمتین بخشین،

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ
اورجنھون نے گھر چھوڑا اللہ کے لئے ستائے

بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا
جانے کے بعد ہم ان کو دنیا مین اچھا ٹھکانا

حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْآخِرَةِ اَكْبَرُ
دین گے، اوربیشک آخرت کی مزدوری

(نحل - ۶)
سب سے بڑی ہے،

دنیا کا اچھا ٹھکانا، دنیا کی ہرجائز نعمت اورسطوت وحکومت ہے،

ان سب آیتون مین یہ بات خیال کے قابل ہے، کہ ایمان اورنیکی والون کو گو دنیا اور آخرت دونون کی بھلائی کی امید دلائی گئی ہے، مگر ہرجگہ یہ بتادیا گیا ہے کہ دنیا کی ہر بھلائی سے آخرت کی بھلائی اونچی، اچھی اورپائدار ہے، اسی لئے دنیا کی بھلائی ہماری زندگی کا اولین مقصد نہین بلکہ ثانوی مقصد ہو، یعنی آخرت کے کامون کے صدقہ مین ہو، ورنہ اگر دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا، تو دنیا تو مل جائے گی مگر آخرت ہاتھ نہ آئیگی،

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
جو کوئی دنیا کی زندگی اوراوس کی آرائش

وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ
چاہے تو ہم ان کے عمل ان کو اسی دنیا مین

فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ
بھر دیتے ہین، اورکمی نہین کیجاتی، یہ وہ

الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ اِلَّا النَّارُ
ہین جن کے لئے آخرت مین دوزخ کے

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا
سوا کچھ نہین، اوروہان جو کیا تھا مٹ گیا

يعملون، (هود - ۲) — اور ان کی کمائی اکارت ہوئی،

مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ج وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن نَّصِيبٍ ٥ (شوری ۳)

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہو، تو ہم اسکی کھیتی بڑھاتے ہین، اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہو تو ہم دنیا مین سے اوس کو کچھ دیتے ہین، اور آخرت مین اس کا کچھ حصہ نہین،

مَن كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ ج يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ط وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ٥ (بنی اسرائیل - ۲)

جو کوئی چاہتا ہو دنیاے عاجل کو تو ہم جلد دیدیتے ہین جس کو جو چاہتے ہین، پھر ہم نے اوس کے لیے دوزخ کو بنایا ہے، وہ اس مین داخل ہوگا برا ہو کر دھکیلا جاکر، اور جو کوئی آخرت چاہے، اور اس کی پوری کوشش کی، اور وہ ایمان والا ہو تو وہی ہین جن کی کوششون کی قدر کیجائیگی،

مَن كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (نساء - ۱۹)

تو جو کوئی دنیا کا ثواب چاہتا ہے، تو (اسکو معلوم ہو کہ اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونون کا ثواب ہے،

پھر وہ کتنا احمق ہے، جو صرف دنیا کے ثواب کا طالب ہے، حالانکہ خدا کے پاس تو دونون جہان کے خزانے ہین،

غرض یہ ہو کہ جو تنہا دنیا کا طالب ہے وہ آخرت سے محروم ہے، لیکن جو آخرت کا طلبگار ہے اسکے لئے دونون گھرون کے دروازے کھلے ہین،

اس دنیا مین اللہ تعالی کی بڑی نعمت حکومت اور سلطنت اور دنیا کی سیاست داری ہی یہان تک کہ کتاب اور نبوت کی دولت کے بعد اسی کا درجہ ہو،

فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا (نساء - ۸)

تو ہم نے ابراہیم والون کو کتاب اور حکمت دی اور بڑی سلطنت بخشی،

حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو کہتے ہین،

يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا، (مائدہ - ۴)

اے میرے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو، جب تم مین نبی بنائے، اور تم کو بادشاہ بنایا،

یہ نعمت کسی کے دینے لینے سے نہین ملتی اس کا مالک اللہ تعالی ہے، وہ جس کو چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے،

اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ، (آل عمران ۳)

اے اللہ! اے سلطنت کے مالک تو جسے چاہے، سلطنت بخشے، اور جس سے چاہے چھین لے،

وہ دیتا کس کو اور چھینتا کس سے ہے، اس کے متعلق اوس نے اپنا قاعدہ کلیہ بتا دیا ہے،

إِنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ (انبیاء - ۷)

بےشک زمین کے مالک میرے صالح بندے ہوتے ہین، اس اعلان مین خدا کے فرمانبردار بندون کے لئے پیام ہے،

مسلمانون کو جب اس نعمت ملنے کی بشارت ملی تھی، تو ساتھ ہی یہ بتا دیا گیا کہ یہ نعمت ان کے کن کامون کا معاوضہ ہو، فرمایا،

وَلَیَنصُرَنَّ اللّٰہُ مَن یَنصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیزٌ ہ اَلَّذِینَ اِن مَّکَّنّٰھُم فِی الاَرضِ اَقَامُوا الصَّلوٰۃَ وَاٰتَوُا الزَّکوٰۃَ وَاَمَرُوا بِالمَعرُوفِ وَنَھَوا عَنِ المُنکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الاُمُورِ (حج - ۶)

اور البتہ خدا اسکی مدد کریگا، جو اسکی مدد کرتا ہے، بیشک اللہ زبردست قوت والا ہے، وہ کہ ہم اگر ان کو زمین مین جما دین تو وہ نماز کھڑی کرین، زکوٰۃ دین اچھے کامون کو کہین اور بُرے کامون سے روکیں اور ہر کام کا انجام خدا کے اختیار مین ہے،

اور ظاہر ہی کہ جو اچھے کامون کو کہے گا، اور بُرے کاموں سے روکے گا وہ پہلے خود اچھا ہو گا، اور بُرے کامون سے باز رہتا ہو گا، خدا کی مدد کرنیکے معنی یہ ہین کہ خدا کے دین حق کی مدد کیجائے، جو لوگ حق کی مدد کے لئے اٹھتے ہین، خدا ان کی مدد فرماتا ہے، ان آیتون سے یہ اشارہ بھی نکلا، کہ مسلمانون کے ہاتھون مین خدا کے قانون کے اجرا، کی طاقت ہونی چاہیئے، چنانچہ اسلام مین سارے حدود اور تعزیرات اسی منشار کے مطابق ہین، زنا کی حد مین فرمایا،

وَلَا تَاْخُذکُم بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِی دِینِ اللّٰہِ اِن کُنتُم تُؤمِنُونَ بِاللّٰہِ وَالیَومِ الاٰخِرِ، (نور - ۱)

اور تم کو ان دونون (زانیون) پر اللہ کی حد جاری کرنے مین کوئی ترس نہ آوے اگر تم اللہ اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہو،

سود کے اسلامی قانون کو جو نہ مانے، اس کو اللہ اور رسول سے لڑائی کیلئے تیار رہنا چاہیئے،

فَاْذَنُوا بِحَربٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُولِہٖ (بقرہ - ۳۸)

تو اے سود کھانے والو، اللہ اور اسکے رسول سے لڑنے کے لئے خبردار ہو جاؤ

اسی لئے نجران کے عیسائیون سے آپ نے صلح کا جو معاہدہ کیا تھا، اسکی ایک دفعہ یہ بھی کہ اگر وہ سودی لین دین کرین گے تو یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا، (ابو داؤد باب اخذ الجزیہ)

حافظ جلال الدّین سیوطی

از

مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین

ذیل کے صفحات مین مسلمانون کے جلیل القدر عالم اور کثیر التصانیف مصنف حافظ جلال الدین سیوطی کے حالات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ہم کو اس کا اعتراف ہے کہ حسب خواہش حافظ سیوطی کا مرقع ہم ناظرین کے سامنے نہ رکھ سکے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اگلے سوانح نگارون نے ان کے حالات مین بہت اختصار سے کام لیا ہے! بہرحال پیش نظر کتابون مین جو کچھ مل سکا ہے، وہ تحقیق کے بعد حاضر خدمت ہے، حافظ سیوطی کی تصنیفات پر تنقید و تبصرہ سے قصداً احتراز کیا گیا ہے، کہ اس مختصر مضمون مین اسکی گنجایش نہین ہے،

معاصرین کے اختلاف کے ضمن مین حافظ سیوطی اور علامہ سخاوی کی شکر رنجی کا جو ذکر آگیا ہے، اس سلسلہ مین یہ امر ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ معاصرت کا ابتلا، عجب ابتلا ہے، کم تر لوگ ہین، جو اس سے محفوظ رہے ہے، اس لئے ان مین سے ایک نے دوسرے کے متعلق جو الفاظ استعمال کئے ہین، گو ان مین سے ہر شخص نے اپنے نقطۂ خیال سے صحیح ہی کہا ہو، لیکن ہمارا ان سے متاثر ہونا ضروری نہین ہے!

نام و نسب | عبد الرحمٰن نام، لقب جلال الدین اور ابن الکتب ہے، ابن الکتب کے لقب کی وجہ یہ ہی کہ ان کے والد نے بیوی سے کسی کتاب کے لانے کو کہا، بیوی کتاب لینے کے لئے گئین،

وہین دروزہ شروع ہوا، اور ولادت ہو گئی، باپ نے اسی مناسبت سے
"ابن الکتب" کا لقب عنایت کیا، کنیت ابو الفضل ہے، یہ کنیت ان کے استاذ اور شیخ
قاضی القضاۃ عزالدین الکنانی کی رکھی ہوئی ہے، شذرات الذہب مین ہو کہ انھون نے
حافظ سیوطی سے پوچھا کہ تمھاری کنیت کیا ہے، انھون نے کہا کچھ نہیں فرمایا، "ابو الفضل"۔

پورا نسب نامہ یہ ہے:۔

عبدالرحمن بن الکمال ابی بکر بن محمد بن سابق الدین بن الفخر عثمان بن ناظر الدین محمد بن
سیف الدین خضر بن نجم الدین ابی الصلاح ایوب بن ناصر الدین محمد بن الشیخ ہمام الدین الہمام
الخضیری الاسیوطی،

علامہ سخاوی نے الضوء اللامع مین اور شوکانی نے البدر الطالع مین الطولونی کی نسبت
کا اضافہ کیا ہے، علامہ سخاوی نے حافظ سیوطی کے والد کے تذکرہ مین ان کے اجداد مین ایک شخص سابق الدین
کے ساتھ "الفارسی" کی قید بھی لگائی ہے،

اصل یہ ہے کہ سیوطی نسلاً عجمی ہین، جیسا کہ انھون نے خود حسن المحاضرہ میں لکھا ہے، نیز علامہ
سخاوی نے سابق الدین کو فارسی بتا کر اسی طرف اشارہ کیا ہے، زاہد کوثری نے سیوطی کے
ذیل طبقات الحفاظ ذہبی پر ان کا جو ترجمہ لکھا ہے اس مین ان کے باپ کو عجمی بتلایا ہو، اور انکی
والدہ حسب تصریح علامہ سخاوی وصاحب النور السافر ترکی کنیز تھین،

انساب سمعانی مین ہے، کہ "طولونی" کی نسبت احمد بن طولون کی طرف کی جاتی ہے طولون
ایک ترکی غلام تھا، جو مامون کے ساتھ بغداد آیا، ۲۲۰ھ مین اسکے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام
احمد رکھا گیا، یہ بیس سال کی عمر مین امیر بایکباک کی فوج میں داخل ہوا، امیر نے احمد بن
طولون کی لیاقت دیکھ کر ۲۵۴ھ مین اپنی طرف سے اس کو فوج کا امیر بنا کر مصر بھیجا، ہو سکتا ہے

کہ سیوطی کی والدہ کا تعلق اسی خاندان سے ہے اور ان کے طولونی کہلانے کی یہی وجہ ہو،

یہین سے سیوطی کے خضیری ہونے کا بھی کچھ نشان ملتا ہے، سیوطی نے حسن المحاضرہ مین کہا
ہے کہ مجھے اس نسبت کی اصل وجہ نہین معلوم ہے، ہان یہ ضرور علم ہے کہ خضیریہ بغداد کے ایک محلہ
کا نام ہے، ممکن ہو کہ اسی محلہ کی طرف نسبت ہو،

یاقوت معجم البلدان مین کہتا ہے کہ خضیریہ بغداد کا ایک محلہ ہے، جو خضیر مولی صاحب الموصل
کی جانب منسوب ہے!

قیاس کہتا ہو کہ طولونی خاندان جو بغداد سے مصر آیا، اس کا کچھ تعلق اس محلہ سے تھا، اور یہی
تعلق سے سیوطی کا خاندان خضیری کہلایا،

اُسیُوطا | اُسیوط مصر کا ایک زرخیز شہر تھا، جو نیل کے مغربی جانب واقع تھا، یاقوت معجم البلدان
مین اپنے زمانہ کے متعلق لکھتا ہے، کہ یہان شکر کا کاروبار بہت زیادہ ہے، اور ساری دنیا مین
افیون یہین سے جاتی ہے،

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مصنف کہتا ہے کہ سیوطی کا خاندان جو پہلے بغداد مین تھا،
آخری نُوشت سے سیوطا مین آکر بس گیا، (جلد ۴ ص ۵۷۳)

علامہ سمعانی انساب مین لکھتے ہین، کہ بعض لوگ اسیوط کے شروع سے الف
گرا دیتے ہین،

پیدایش | حافظ سیوطی یکم رجب ۸۴۹ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۴۴۵ء بروز یک شنبہ بعد مغرب
قاہرہ مین پیدا ہوئے،

والد | مورث اعلیٰ ہمام الدین مشائخ وقت مین سے تھے، نیز دوسرے ارکان خاندان بھی
ہمیشہ صاحب مرتبہ رہے، البتہ علم و دین کی خدمت زیادہ تر ان کے والد کمال الدین ابو بکر ہی

کے حصہ مین آئی، یہ تقریباً [illegible]ھ کے بعد سیوط مین پیدا ہوئے، اور قاہرہ آنے سے پہلے وہان کے قاضی رہے، جب قاہرہ آئے تو علامہ قایاتی سے فقہ، اصول، کلام، نحو، معانی اور منطق کی تحصیل کی، ۸۲۹ھ مین اُن سے تدریس کی اجازت حاصل کی، حافظ ابن حجر عسقلانی سے بھی شرفِ تلمذ حاصل تھا، مختلف کتابین تصنیف کین، جامع شیخونی مین فقہ کے استاذ اور جامع طولونی مین خطیب رہے، علامہ شرف الدین المناوی کو جب قلعہ مین کسی خاص مسئلہ پر خطبہ کی ضرورت پیش آتی، تو خطبہ انہی سے لکھواتے تھے، خلیفہ مستکفی باللہ ثانی ان کا بہت احترام کرتا تھا، ان کے پاس برابر اسکی آمد و رفت رہتی، ملک ظاہر جقمق نے مستکفی باللہ کے ذریعہ ان کے پاس دیارِ مصر کے مفتی ہونے کا پیغام بھیجا، لیکن انھون نے قبول نہ کیا،

حافظ سیوطی کے والد مستکفی باللہ کے امام بھی تھے، اسی لئے سیوطی کی پرورش مستکفی باللہ ہی کے گھر میں ہوئی، جیسا کہ خود سیوطی نے تاریخ الخلفاء مین لکھا ہے،

بچپن مین اکابر کی زیارت ان کو بچپن مین ایک بزرگ شیخ محمد مجذوب کے پاس جو جوارِ مشہد نفیسی کے قریب رہتے تھے، لیجایا گیا، انھون نے ان کیلئے برکت کی دعا کی،

تین سال کی عمر میں ایک بار اپنے والد کے ساتھ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کی مجلس میں بھی حاضر ہوئے، حیرت ہے کہ سیوطی نے طبقات الحفاظ ذہبی کے ذیل مین اپنے متعلق لکھا ہے کہ

مجھکو حافظ ابن حجر سے اجازتِ عامہ حاصل ہے، حالانکہ انکی وفات (۸۵۲ھ) کے وقت سیوطی کی عمر تین یا ساڑھے تین سال کی تھی،

والد کا انتقال سیوطی کی عمر ابھی پانچ سال سات ماہ کی تھی، اور سورۂ تحریم تک قرآن پڑھا تھا، کہ شبِ دوشنبہ ۵ صفر ۸۵۵ھ کو ان کے والد کا انتقال ہوگیا،

والد نے نوعمر لڑکے کے لئے مخلصین کی ایک جماعت کو وصی بنایا تھا، ان مین سے شیخ کمال الدین ابن ہمام اور شیخ شہاب الدین بن طباخ کے نام کتابون مین مذکور ہین، لیکن آخر الذکر کے حالات نہین ملتے،

ابن ہمام علامہ ابن ہمام کے متعلق معلوم ہے کہ ان کا شمار اکابر فقہائے حنفیہ مین ہے، ۷۹۰ھ مین پیدا ہوئے، سراج الدین قاری ہدایہ، قاضی محب الدین بن الشحنہ وغیرہم سے تحصیلِ علوم کی، تصوف کا بھی خاص ذوق تھا، ان کے حلقۂ درس سے اکثر اکابر پیدا ہوئے، مثلاً ابن امیر حاج حلبی، محمد بن محمد بن الشحنہ، سیف الدین بن عمر بن قطلوبغا، تصانیف مین فتح القدیر شرح ہدایہ اور تحریر الاصول اہلِ علم مین مشہور ہین،

تعلیم و تربیت حافظ سیوطی نے اسی جلیل القدر شخصیت کے سایۂ عاطفت مین تعلیم شروع کی، انھون نے سیوطی کو شیخونیہ مین داخل کر دیا، شہاب الدین بن طباخ کی توجہ سے امیر برسبائے جرکسی کی امداد بھی حاصل رہی، آٹھ سال کی عمر مین قرآن شریف ختم کرلیا، اس کے بعد عمدۃ الاحکام، منہاج الفقہ، الفیہ ابن مالک یاد کیا،

مصر کے علمائے وقت مین سے تقریباً ہر بڑی شخصیت سے ان کو استفادہ کا موقع ملا، حسن المحاضرہ مین اپنے مشائخ کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو بتلاتے ہین،

ہم ذیل مین اُن بعض اساتذہ کا ذکر کرتے ہین، جن کے متعلق یہ معلوم ہو سکا ہے، کہ سیوطی نے ان سے کیا پڑھا تھا؟

علامہ بلقینی قاضی القضاۃ علم الدین صالح بن شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی کی ۷۹۱ھ مین پیدائش اور چہارشنبہ ۵ رجب ۸۶۸ھ کو وفات ہوئی، حافظ عراقی اور دوسرے اکابر سے تلمذ تھا، اپنے زمانہ مین مذہب شافعی کے زبردست حامیون مین سے تھے، علامہ سیوطی نے فقہ انہی سے پڑھی اور ان کی زندگی تک ساتھ رہے، بلقینی کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے سے پڑھنا شروع کیا،

حسب ذیل کتابین ان سے پڑھین،

(۱) تدریب شروع سے وکالۃ تک (۲) حاوی صغیر شروع سے عدد تک (۳) منہاج شروع سے زکوٰۃ تک (۴) تکملہ شرح منہاج کا ایک حصہ اوراحیاء الموات سے وصایا تک!

انھون نے ۸۶۶ھ مین سیوطی کو درس و افتاء کی اجازت دی،

علامہ شرف الدین مناوی سیوطی علامہ مناوی کی خدمت مین بھی حاضر ہوئے، یہ ۷۹۸ھ مین پیدا ہوئے، شیخ ولی الدین عراقی سے استفادہ کیا، دیار مصریہ کے قاضی رہے، شب دوشنبہ ۱۲ جمادی الآخر ۸۷۱ھ کو انتقال ہوا، علامہ سیوطی نے ان سے منہاج شرح بہجہ اور تفسیر بیضاوی کے بعض حصے پڑھے،

علامہ تقی الدین شمنی حنفی علامہ شمنی کے پاس چارسال رہے، اور حدیث انہی سے پڑھی، ان کی وفات تک ساتھ ہی رہے، حسن المحاضرہ مین ان کا ذکر عجب والہانہ انداز سے کرتے ہین، علامہ شمنی رمضان ۸۰۱ھ مین بمقام اسکندریہ پیدا ہوئے، مشائخ وقت سے تعلیم حاصل کی، قضاء حنفیہ کی درخواست کی گئی، مگر قبول نہ کیا، ذالحجہ ۸۷۲ھ مین انتقال ہوا،

علامہ محی الدین کافیجی سیوطی کے چارسال علامہ کافیجی کی خدمت مین گذرے، یہ معقولات مین اپنے وقت کے "استاذ العالم" تھے، ۸۰۰ھ سے پیشتر کی پیدایش ہے، ۸۷۹ھ میں انتقال ہوا، سیوطی نے ان سے اصول تفسیر اور معانی وغیرہ پڑھا، انھون نے شاگرد کو تحریری اجازت بھی دی،

شیخ سیف الدین حنفی یہ اپنے زمانہ کے عالم اور بہت ہی متقی بزرگ تھے، ان کے استاذ علامہ ابن ہمام کہا کرتے تھے، کہ یہ دیار مصر کے محقق ہین، ۸۰۰ھ مین پیدایش اور ۸۸۱ھ مین انتقال ہوا، سیوطی ان کے یہان کشاف توضیح تلخیص المفتاح اور عضد کے چند سبقون میں شریک ہوئے، سیوطی

کہتے ہین، کہ ایک شخص کے سوا جس سے مین نے منہاج کے چند صفحے پڑھے تھے، میرے شیوخ مین سب آخر مین انہی کا انتقال ہوا،

شیخ شہاب الدین الشارمساحی یہ فرائض مین اپنے وقت کے امام تھے، ابن ملقن سے اجازت پائی تھی، ۸۶۵ھ مین انتقال ہوا، سیوطی نے ان کی آخری عمر میں ان سے فرائض پڑھا،

محمد بن ابراہیم الشروانی الرومی یہ قاہرہ کے طبیب تھے، سیوطی نے ان سے طب مین ابن جماعہ کی دو کتابین پڑھی تھیں،

ام ہانی علامہ سیوطی کے مشائخ مین جہان ان نامور علماء کا ذکر آتا ہے، وہان اس عالمہ وفاضلہ کا نام بھی موجود ہے، سیوطی بغیۃ الوعاۃ ص ۱۶۱ مین ان کے متعلق لکھتے ہین، کہ یہ میری شیخ ہین،

اساتذہ کا تعلق حافظ سیوطی کے اساتذہ کو اپنے لائق شاگرد سے خاص تعلق تھا، وہ ان کی قدر کرتے اور ان کی رائے پر اعتماد کرتے تھے، حسن المحاضرہ مین اپنے استاذ علامہ شمنی کا ایک واقعہ نقل کرتے ہین، کہ شمنی نے شفاء کے حاشیہ مین واقعہ اسراء مین ابوالحمراء کی حدیث درج کی، اور اسکو ابن ماجہ کی تخریج بتایا، مین نے بار بار ابن ماجہ دیکھی، مگر یہ حدیث نہ ملی، ابن قانع کی معجم الصحابہ مین تلاش کیا، اس مین یہ حدیث موجود تھی، شیخ سے عرض کیا، انھون نے محض میری سماعت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے نسخہ سے ابن ماجہ کاٹ کر ابن قانع لکھدیا،

علامہ شمنی نے بار بار زبان وقلم سے سیوطی کے علم وفضل کا اعتراف کیا، ان کی تصنیف شرح الفیہ اور جمع الجوامع پر تقریظ لکھی، علامہ بلقینی نے بھی ان کی شرح استعاذہ و بسملہ پر تقریظ لکھی،

شاگرد کو بھی اپنے اساتذہ کا بڑا لحاظ رہتا تھا، علامہ شرف الدین مناوی کی مجلس مین

سیوطی ملا علی سے آگے بیٹھتے تھے، مناوی کو اس سے تکلیف ہوئی، اور یون نصیحت
کی، کہ ہم لوگ چھوٹے تھے، تو ہمیشہ حلقہ کے پیچھے بیٹھتے تھے، سیوطی نے پھر کبھی ایسی غلطی
نہ کی،

اسی تعلق کی بنا پر علامہ سیوطی نے اپنے اساتذہ مین سے علامہ مناوی، علامہ شمنی، علامہ سیف الدین
حنفی کے انتقال پر بڑے دردناک مرثیے کہے،

حافظ سیوطی مصر کے باہر

علامہ سیوطی کے ذوقِ علم نے ان کو دوسرے ممالک کے دیکھنے کا بھی موقع بہم پہنچایا
اور انھون نے شام، حجاز، تکرور، اور ہندوستان کے سفر کئے!

سفر حجاز

حجاز کا سفر ۸۶۹ھ (۱۴۶۳ء) مین بحری راستہ سے ہوا، ایامِ حج مین آبِ زمزم اس
نیت سے پیا کہ فقہ مین علامہ بلقینی کا مرتبہ اور حدیث مین حافظ ابن حجر کا پایہ نصیب ہو، حجاز
کے سفر مین بھی علامہ سیوطی استفادہ سے غافل نہ رہے، اور عبدالقادر مالکی، نجم بن فہد
سے کسبِ فیض کیا،

مکہ کے زمانۂ قیام مین ایک افسوسناک واقعہ پیش آگیا وہ یہ کہ ابن ظہیرہ برہان الدین
جو مکہ کے قاضی تھے، سیوطی کے والد کے شاگرد تھے، مکہ اور قاہرہ مین ان سے فقہ، اصول، معانی
اور بیان پڑھا تھا، اس وقت مکہ مین خدا نے ان کو ہر طرح سے سرفراز کیا تھا، ان کے جاہ و
جلال اور دولت وحشمت کی وجہ سے لوگ عموماً ان کی مصاحبت مین لگے رہتے، سیوطی کا بیان
ہے کہ ابن ظہیرہ کی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرے لوگ ان کی چاپلوسی کرتے ہین، مین بھی وہی
رنگ اختیار کرون، حالانکہ میری نگاہ مین ابن ظہیرہ میرے والد کے وہی شاگرد تھے، جو اپنے
کندھے پر مجھکو بٹھائے ہوئے پھرا کرتے تھے، سیوطی کہتے ہین، کہ میرے اور ان کے درمیان یہ
چشمک جاری رہی، یہانتک کہ ابن ظہیرہ کے یہان ختمِ بخاری کی محفل ہوئی، جس مین میرا جانا ہوا

مجھے دیکھکر ابن ظہیرہ نے تواضع اور خاکساری کے متعلق تقریر شروع کردی، مین سمجھ گیا کہ یہ مجھ پر تعریض
ہے، مین نے حدیث مین چند سوالات ان کے سامنے پیش کئے جس کا وہ کوئی جواب نہ دیسکے،
انجام کار ان کو مجھسے استفادہ کا اقرار کرنا پڑا، لیکن درمیانی لوگون نے اختلافات کو بڑھادیا، یہان تک
کہ سیوطی مکہ سے رخصت ہوئے، اور ابن ظہیرہ سے ملاقات تک نہین ہوئی، اس کے بعد ابن ظہیرہ
قاہرہ آئے، بعض امرا نے چاہا، کہ دونون حضرات کے درمیان صفائی کرادین، مگر سیوطی تیار
نہ ہوئے، چند سال کے بعد شیخ عبدالقادر بن شعبان الفرضی جو سیوطی کے والد کے یہان ابن ظہیرہ
کے ہم درس تھے، انھون نے ابن ظہیرہ کو خط لکھا کہ وہ جاکر سیوطی سے ملاقات کرین، اور چند
کتابین لے آئین، چنانچہ ابن ظہیرہ سیوطی کے پاس آئے، دونون کے دل ایک دوسرے سے صاف
ہوئے، اور ابن ظہیرہ نے سیوطی کی ذیل کی تصانیف حاصل کین،

اتقان، الاشباہ والنظائر، تکملہ تفسیر محلی، شرح الفیہ الحدیث، شرح الفیہ ابن مالک
درمنشور جزء اول،

ہندوستان کا سفر

ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ اکابر علماے اسلام نے اپنے بابرکت قدمون
سے اسکو سرفراز کیا ہی، لوگون کو سُن کر حیرت ہوگی، کہ ہمارے مشہور معقولی مفسر اور متکلمِ اسلام امام
رازی بھی ہندوستان آئے تھے[1]،

بہرحال منجملہ ان اکابر کے علامہ جلال الدین سیوطی کی ذات بھی ہے، علامہ نے خود حسن المحاضرہ
مین اپنی ہندوستان کی آمد کا ذکر کیا ہے، لیکن باوجود تلاش وتفحص کے یہ نہ معلوم ہوسکا، کہ یہ آمد کب
اور ملک کے کس حصہ مین ہوئی تھی؟

یہ بات ضرور معلوم ہے کہ علامہ سیوطی کے زمانہ مین خلافتِ مصر کو مالوہ کی خلجی سلطنت سے

[1] تفسیر کبیر سورہ ہود رکوع ۵،

زیادہ تعلق تھا، چنانچہ ۸۸۰ھ مستنجد باللہ عباسی نے مصر سے شرف الملک حاجب کے ساتھ سلطان کے لئے شاہانہ خلعت بھیجی، سلطان نے مع اہل دربار کے اس کا استقبال کیا، خلعت پہنا اور منبروں پر سلطان کے نام کے ساتھ خلیفہ کا نام بھی پڑھا گیا،

اس تعلق کی بناپر خیال ہوتا ہے، کہ شاید حافظ سیوطی کی آمد مالوہ کی طرف ہوئی لیکن یہ محض قیاس ہے،

درس و تدریس اور عہدۂ قضاء

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مصنف کہتا ہے کہ سفر حجاز سے واپس ہوکر حافظ سیوطی قاہرہ میں مشیر قانونی ہوگئے، لیکن اس عہدہ کے ذکر سے عربی ماخذ خاموش ہین،

۸۶۲ھ/۱۴۵۸ء سے درس و تدریس اور املا کا کام شروع کیا، اور اسی سال علامہ بلقینی کی کوشش سے جامع شیخونی مین اپنے والد کی جگہ پر کام شروع کیا، اس کے بعد اپنے وصی شہاب الدین ابن طباخ کی کوشش سے جامع ابن طولون مین کچھ دنون املار کرایا، تربتہ برقوق نائب شام مین اپنے ہم وطن ابو الطیب السیوطی کی سفارش سے مشیختہ التصوف کے عہدے پر فائز رہے، شیخونیہ میں بھی مشیختہ الحدیث کا مرتبہ ملا، ۸۹۱ھ/۱۴۸۶ء میں بیبرسیہ مین جلال بکری کے بعد ایک ممتاز جگہ پر مقرر ہوئے، لیکن ایک جماعت سے وہان اختلاف ہوگیا، جس کی وجہ مورخین حافظ سیوطی کی خشک مزاجی بتلاتے ہین، یہان بہت ہی ناگوار شکلین پیش آئین، انجام کار ۱۲ رجب ۹۰۶ھ (فروری ۱۵۰۱ء) کو سلطان ملک عادل طومانبای اوّل نے مدرسہ سے ان کو علٰحدہ کردیا، ۹۰۹ھ مین دوبارہ یہ جگہ انکی خدمت مین پیش کی گئی، لیکن انھون نے قبول نہ کیا،

حافظ سیوطی نے درس میں طریق املار کو زندہ کرنا چاہا، مگر لوگوں کی بے توجہی دیکھکر خود باز رہے،

۹۰۲ھ/۱۴۹۶ء مین خلیفہ متوکل نے ایک عظیم الشان عہدہ پیش کیا، یعنی ان کو تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنادیا، سب کا عزل و نصب ان کے اختیار مین تھا، غالبًا بیبرسیہ کی ملازمت کے زمانہ ہی مین یہ عہدہ ملا تھا،

افتاء

حافظ سیوطی نے ۸۷۱ھ سے افتار کا کام شروع کیا، باوجود اپنے دعویٰ اجتہاد کے فتوی مذہب شافعی پر دیتے تھے، کہتے تھے، کہ سائل مذہب دریافت کرتا ہے نہ کہ میرے اجتہاد سے،

نواب صدیق حسن خان مرحوم طبقات کا شغری سے سیوطی کا قول نقل کرتے ہین، کہ جب مین سوال کا جواب دیتا ہون، تو میرے سامنے بارگاہ خداوندی مین حاضری کا منظر ہوتا ہے،

اس سے مطلب افتار مین احتیاط ہے، حافظ سیوطی کے فتاوی الحاوی للفتاوی کے نام سے دو جلدون مین چھپ گئے ہین،

تصنیف و تالیف

علامہ سیوطی کی سوانح کا یہ باب درحقیقت ایک طویل الذیل باب ہے، اس لئے کہ یہی ان کی زندگی کا اصل کارنامہ ہے، اگر کثرت تصانیف کے لحاظ سے مصنفین کی فہرست بنائی جائے، تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سیوطی کو اس فہرست کے اوّلین نامون مین جگہ دینا ہوگی،

۸۶۶ھ سے ان کی تصنیفی زندگی شروع ہوتی ہے اور پہلی تصنیف استعاذہ اور بسملہ کی شرح ہے، یہ بات واضح رہے کہ سیوطی کا زمانہ ایجاد و ابداع کا زمانہ نہین، بلکہ جمع، شرح اور تفسیر کا زمانہ ہے اور سیوطی نے اس سلسلہ مین بہترین نمونہ پیش کیا ہے،

حافظ سیوطی کے شاگرد داودی کا بیان ہے کہ سیوطی ایک ایک دن مین تین کرا

لکھتے تھے، اور اس کے ساتھ حدیث کا املار کرتے، اور فتا وی بھی لکھتے،

سیوطی نے حسن المحاضرہ مین اپنی تالیفات کو گنا یا ہے، اس وقت تک کی مولفات کی تعداد تین سو ہے، ان کے شاگرد داؤدی نے ان کی مصنفات کا استقصار کیا، تو وہ پانچسو سے زائد نکلین، دوسرے شاگرد ابن ایاس نے تاریخ مصر ۳ - ۶۳ میں کہا کہ ان کی مصنفات ۶۰۰ ہین، جرمن عالم (Brockelmann) نے ان کی کتابون کی فہرست تیار کی جس میں اس کو ۴۱۵ کتابین معلوم ہوسکین،

حسن المحاضرہ کے بعد حافظ سیوطی نے پھر اپنی مصنفات کی فہرست خود مرتب کی، اس مین ۵۳۵ کتابین مع اسمائے کتب و تفصیلِ فن درج ہین، ! ہم صرف فن وار کتابون کی تعداد درج کرتے ہین،

۱-	فن تفسیر و متعلقاتِ قرآن،	۷۳	۶-	لغت، نحو، صرف،	۶۳
۲-	حدیث اور اس کے متعلقات،	۲۰۴	۷-	معانی، بیان، بدیع،	۷
۳-	اصولِ حدیث،	۲۴	۸-	ادب، نوادر، انشار، شعر،	۶۸
۴-	فقہ،	۷۳	۹-	تاریخ،	۳۰
۵-	اصولِ فقہ، اصول الدین، تصوف،	۱۹	۱۰-	مختلف علوم،	۱۰

ان مصنفات مین ضخیم تصانیف کے ساتھ مختصر ترین رسالے بھی شامل ہین،

تصنیفی زندگی مین الزام

علامہ سیوطی پر ان کی تصنیفی زندگی مین الزامات بھی لگائے گئے، چنانچہ علامہ سخاوی کا سب سے بڑا الزام یہ ہے، کہ وہ دوسرون کی کتابوں کو اپنا لیتے ہین، اسی سلسلہ مین وہ بیان کرتے ہین، کہ

(۱) سیوطی نے خود میری کتابون کو جب میرے پاس ان کی آمد و رفت تھی اپنا لیا، مثلاً

الخصال الموجبة للظلال، الاسماء النبوية الصلوٰة على النبى صلى الله عليه وسلم، موت الانبياء، ان کے سوا اور دوسری کتابین،

(۲) میرے استاذ حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصانیف کو اپنانے کی کوشش کی، مثلاً لباب النقول فی اسباب النزول، عین الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، النکت البدیعات علی الموضوعات، المدرج الی المدرج، وغیرہا،

سخاوی کہتے ہین کہ یہ سب میرے شیخ کی کتابین ہین، کاش سیوطی اسکو مسخ نہ کرتے، اور اصلی حالت پر باقی رہنے دیتے، تو زیادہ نافع ہوتین،

(۳) محمودیہ[1] (شارع قصبہ رضوان مصر) کی قدیم کتابون کو جن سے معاصرین بالکل ناواقف تھے، لیکر اس مین کچھ تبدیل و تغیر کے بعد اپنے نام سے شائع کیا،

علامہ شوکانی نے البدر الطالع مین اس قسم کے تمام الزامات کی تردید کی کوشش کی ہے، لیکن وہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکے کہ دوسرے کی کتابون سے مضامین کا لینا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، یہ مصنفین کا دستور چلا آیا ہے،

خصائص کبریٰ کا سرقہ

اس سلسلہ مین ایک دلچسپ اور قابلِ تذکرہ بات یہ ہے کہ خود سیوطی کی تصانیف کے ساتھ بھی لوگون نے یہی معاملہ کیا، کہ ان کی پوری تصنیف کو اپنی طرف منسوب کرلیا، یا ان کی کتابون کے مضامین اپنی تصانیف مین درج کر لئے، اور حوالہ نہیں دیا،

معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ (جلد اص ۱۰۷۹) کا جامع یوسف الیاس سرکیس کہتا ہے، کہ سیوطی کی خصائص کبریٰ ان کے کسی معاصر نے پا لیا، اور اپنی طرف منسوب کرلیا، اس پر سیوطی نے ایک مقالہ الفارق بین المصنف والسارق لکھا، کشف الظنون جلد ۲ ص ۵۶۵ مین ہے، کہ

[1] اس مدرسہ اور کتب خانہ کی تفصیل ملاحظہ ہو خطط مقریزی جلد ۴ ص ۲۴۲،

سیوطی کو علامہ قسطلانی سے شکایت تھی، کہ انھون نے المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ مین ان کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا، لیکن کہین ان کا حوالہ نہیں دیا، سیوطی نے شیخ الاسلام زکریا انصاری کی خدمت مین یہ واقعہ عرض کیا اور کہا کہ قسطلانی کو لازم تھا، کہ وہ میرا حوالہ دیتے! بعد کو قسطلانی نے سیوطی کے پاس آکر معذرت کی،

تصنیفات کا معیار بہرحال علامہ سیوطی کی تصانیف کو خاص حسنِ قبول حاصل ہوا، اور خود ان کی زندگی مین ہر چہار طرف ان کا شہرہ ہوگیا، لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر ثابت ہے، کہ تصنیفی سلسلہ مین سیوطی کا جو کچھ کارنامہ ہے وہ جمع ونقل ہے، صحیح وسقیم کی تفریق کا پورا لحاظ ان کی مصنفات مین نہیں ہے، یہی وجہ ہے، کہ اکثر فرقِ ضالہ خصوصًا روافض کو انہی کی کتابون سے حوالہ کا موقع ملتا ہے، اور محققین اسی لئے جب تک ان کی تحریر کی تائید مین دوسرا معتبر قول نہ ہو، اسکو قبول نہین کرتے ہین،

شعروشاعری تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور افتاء کے ساتھ ساتھ حافظ سیوطی کو شعروشاعری سے بھی خاص دلچسپی تھی، اس فن مین شہاب منصوری سے تلمذ تھا، علامہ سیوطی نے نظم العقیان (ص،، تا ۱۰۹) مین ان کا کلام نقل کیا ہے، اور شرح شواھد مغنی اللبیب مین ان کے حالات ذکر کئے ہین،

سیوطی کی شاعری زیادہ تر علمی فوائد اور دینی نصیحتون پر مشتمل ہوتی تھی، وہ مذہبًا شافعی اور عقیدۃً حنبلی تھے، اپنے عقائد کو اشعار مین اس طرح بیان کرتے ہین،

فوض احادیث الصفا — ت ولا تشبہ وتعطل

ان رمت الا الخوض فی — تحقیق معضلہ فاوّل

ان المفوض سالم — مما تکلفہ المؤوّل

ایک شخص کو نصیحت کرتے ہین،

ایھا السائل قومًا — مالھم فی الخیر مذھب

اترک الناس جمیعًا — والی ربک فارغب

مباحث علمیہ پر نظمین بھی کہی ہین، مثلاً تحفۃ المہتدین باسماء المجتہدین، یہ پہلے گذر چکا ہے کہ اپنے اساتذہ کے مرثیے کئے، تاریخ الخلفاء کے آخر مین اپنا ایک قصیدہ درج کیا ہے جسمین خلفاء کے نام اور وفیات درج ہین، ان کا کلام ان کی تصانیف مین منتشر طور پر درج ہے، غالبًا ابھی ایک جگہ جمع نہیں کیا گیا،

(باقی)

محسن کاکوروی اور انکی خصوصیات

از

جناب محمد ابو اللیث صاحب صدیقی بدایونی ایم اے لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

قدیم اردو شعر و شاعری پر حالی سے لیکر ابتک اس قدر خامہ فرسائی ہو چکی ہے، کہ اعتراضات کی طویل فہرست مین کسی اضافہ کی گنجایش معلوم نہین ہوتی، یہ اعتراضات صرف شاعری پر صادق نہین آتے، شاعری کے علاوہ ادب کی اور اصناف اور ادب کے علاوہ زندگی کے دوسرے شعبون پر نظر ڈالین، تو پچھلے آٹھ سو سال کی ہندوستان کی تاریخ مین بعض عیوب ان سب میں مشترک نظر آئین گے، ان کو اگر ہم کسی ایک لفظ سے ادا کرنا چاہین، تو وہ "تقلید" ہے، ہمارا ادب اور ادب کے علاوہ دیگر فنون لطیفہ "تقلیدی" ہین، اور تقلیدی ہونے ہی کی وجہ سے ان سے معرکے صادر نہین ہو سکے،

بے معرکہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومین
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

ایک مغربی مفکر نے فنون لطیفہ کے ارتقاء کے سلسلہ مین لکھا ہے کہ فنون کی زندگی مین بالعموم دو منزلین پیش آتی ہین، ایک حیات و حرکت عمل کی دوسری جمود و تعطل و سکون کی، پہلی منزل کی پیداوار تخلیقی (Creative) اور دوسری کی تقلیدی (IMITATIVE OR TRADITIONAL) ہوتی ہے،

جب کوئی قوم شباب عالم پر اپنے پہرے جماتی ہے، تو سب سے پہلے تنازع للبقا سے سابقہ پڑتا ہے، جد و جہد عزم و استقلال عمل و کردار کی ضرورت ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے قوم مین تمام قوتین اپنی

معراج پر ہوتی ہین، اس وقت ایک خاص قوت سرگرم عمل ہوتی ہے، جسے (Creative Faculty) یعنی صلاحیت تخلیق کہہ سکتے ہین، اس صلاحیت کی پیداوار تخلیقی ہوتی ہے، اس مین زندگی کی وہ روح ہوتی ہے، جو خود قوم مین موجود ہوتی ہے، جس کی یہ ترجمانی کرتے ہین، قومون کے کارنامون کی طرح ان کے آرٹ اور فن مین بھی معجزہ ہوتا ہے،

لیکن جس طرح قوم کی اور صلاحیتین تکمیل کی ایک خاص منزل پر پہنچکر رک جاتی ہین، اور پھر زوال کا دور شروع ہوتا ہے، اسی طرح (Creative Faculty) یعنی قوت تخلیق بھی مردہ ہو جاتی ہے، اور جیسے جیسے عمل و عزم و استقلال کی جگہ تن آسانی اور تساہل لے لیتے ہین، اسکے ساتھ ہی ساتھ قوت تخلیق کی جگہ صلاحیت تقلید (Imitative Faculty) ترقی کرتی رہتی ہے، آرٹسٹ اب آرٹ کی تخلیق سے قاصر ہوتا ہے، اس وقت پوری قوم آباء و اجداد کے فراہم کیے ہوئے سرمایہ پر گذر بسر کرتی ہے، چنانچہ آرٹسٹ بھی اپنے پیشرؤن کے کمالات کو بیچ کر کھاتا رہتا ہے، اور انہی کی تقلید کو کمال فن اور معراج تکمیل سمجھتا ہے، جس قدر تقلید یا نقل مکمل اور مطابق اصل ہو، اسی قدر آرٹ مکمل سمجھا جاتا ہے، یہ عالم آرٹ کے سکرات کا عالم ہوتا ہے، اگر ایسے موقع پر قوم کی ناؤ کو کھینے والا میسر نہ ہو، تو قوم کی کشتی زوال کے گرداب مین ہی غرق ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر آرٹ کو تباہی سے بچانے والا تخلیقی آرٹ کا علمبردار پیدا نہ ہو، تو آرٹ فنا ہو جاتا ہے،

اس مغربی مصنف نے تخلیقی اور تقلیدی آرٹ کی بحث یورپ کے فنون کے سلسلہ مین کی ہے، لیکن یہ بیان ہماری شاعری کے عین مطابق ہے، ہندی مسلمانون کی شاعری کا سرچشمہ عرب ہے، عربی شاعری کی بنیادین جذبات پر قائم ہین، اور حقیقت کی ترجمانی اس کا مقصد ہے، عرب شعراء نے اپنے معرکۃ الآراء قصیدون مین انہی لوگون کی تعریف کی ہے، جو تعریف کے مستحق ہین، بہادرون کی تعریف کی گئی ہے، کہ میدان جنگ مین اپنی واقعی تعریف سنکر ان کے حوصلے بڑھین، اور وہ قوم

کی خاطر فتح حاصل کرین، امیرون اور سردارون کی تعریف کی گئی ہے، کہ ان کے قابل تقلید نمونے دوسرون کے لئے شمعِ ہدایت کا کام دین، شاعرون کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ تخلیقی آرٹ کے قابلِ تقلید نمونون کے موجد، قوم یا قبیلہ کی عزت اور فطرت کے ترجمان تھے، ان قصیدون مین رزم اور بزم کے وہ مناظر ہین، کہ ہر جگہ زندگی کی لہرین کروٹ بدلتی نظر آتی ہین، یہ تخلیقی آرٹ کے نمونے ہین،

غزل کی طرف نظر ڈالئے تو صرف ان شاعرون کو غزل گو پائین گے، جو واقعی عشق و عاشقی کی وادی مین نام پا چکے تھے، ان کی شاعری خود ان کے جذبات کا آئینہ ہے، اس مین رسم و تقلید نہین، عرب مین شعر و ادب کے سرچشمے کے یہ سوتے پاک و صاف تھے، لیکن ایران پہنچکر ان کی نوعیت بدل گئی،

ایران کی فتح کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ عربون نے اگرچہ سیاسی اعتبار سے ایران کو فتح کر لیا، لیکن ذہنی اعتبار سے ایران نے ہی مسلمانون پر فتح پائی، ان کے فلسفہ جد و جہد کی جگہ نفی خودی اور بے عملی کی تلقین کیجانے لگی، اور جب قوم کی زندگی پر سکون کا افسون طاری ہوا تو شعر و ادب کی نزع کا وقت بھی قریب آگیا، اور بہت جلد تخلیقی آرٹ کی جگہ صرف تقلیدی آرٹ رہ گیا، یہ کیا تھا؟ رسمی شاعری جو باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو ورثہ مین ملتی رہی، بندھے ٹکے جذبات، اور ان کے ادا کے مخصوص انداز اور اسالیب، پیش پا افتادہ مضامین، پرانی تشبیہات اور پامال استعارات کے الٹ پھیر کا نام شاعری رہ گیا،

اردو نے اسی رسمی فارسی شاعری کی گود مین آنکھ کھولی، ابتدائی دور مین ہندوستان کے فارسی گو شعراء جو خود رسمی فارسی شاعری کے علمبردار تھے، محض تفننِ طبع کے لئے "زبان ریختہ" گاہے گاہے فکر فرماتے تھے، ظاہر ہے کہ ان شعراء سے اردو مین بھی وہی مضامین ادا ہوتے جو فارسی شاعری مین عام تھے، دوسرے دور مین دکھنی ادب کو فروغ ہوا، اور کہین کہین

فارسی شاعری کی ابتداء، گو ساتھ ہندی شاعری کے اثرات بھی مل گئے، لیکن شاعری کے عام مذاق مین کوئی تبدیلی نہین ہوئی، اس کا ایک عام اثر یہی ہے، کہ ابتدائی دکھنی ادب مین مثنویون کی تعداد بہت ہے، اور سوائے چند مثنویون کے باقی تمام قصے فارسی کی مشہور مثنویون کے تراجم یا ان کا خلاصہ ہین، تشبیہات اور استعارات مین بھی دکن والون نے کہین کہین ملکی شاعری سے فائدہ اٹھایا ہے، لیکن دکنی ادب کا کوئی شاہکار جو تخلیقی آرٹ کا نمونہ کہا جاسکے، اب تک ہماری نظر سے نہین گذرا،

تیسرے دور مین شمالی ہند مین دلی کی بزمِ شاعری گرم ہے، لیکن یہان کے شعراء بھی فارسی کی تقلید بیجا مین گرفتار ہین، اور حالی نے اپنے مرثیہ مقدمہ شعر و شاعری مین انہی کا ماتم کیا ہے

چوتھے دور مین لکھنؤ کے شعرا اپنی محفل جماتے ہین، اور ایک اعتبار سے یہ دلی والون سے بہتر ہین، ان مین تھوڑا بہت تخلیقی جذبہ کارفرما ہے، کیونکہ سلطنت اودھ کی ابتدا ہے، اور علومِ قدیمہ کے احیاء کے ساتھ ساتھ شاعری کو بھی دوسرا رنگ دینا مقصود ہے، لیکن اودھ کے ماحول اور معاشرت نے ان شاعرون کو نقصان پہنچایا، اور یہ راہ بھٹک کر ریختی، ہرزہ گوئی، اور ضلع جگت کی گلیون مین جا نکلے، لیکن ان مین سے بعض نے واقعی تخلیقی آرٹ کے نمونے پیش کئے، جو نادر اور عدیم المثال ہین، ایسے جوہر انیس اور محسن کے کلام مین بالعموم پائے جاتے ہین،

محسن کاکوروی کا کلام دبستانِ لکھنؤ کی پیداوار ہونے کے باوجود لکھنؤ کے عام رنگ سے جدا ہے، ان کا موضوع نعت ہے، جس سے عہدہ برآ ہونا آسان نہین ہے، موضوع کا احترام کلام کی بے کیفی و بے رونقی کی پردہ پوشی کرتا ہے، نقاد کو نعت گو سے بازپرس کرنے مین تامل ہوتا ہے، دوسری طرف نعت گو کو اپنی فنی کمزوری چھپانے کیلئے نعت کا پردہ بھی بہت آسانی سے مل جاتا ہے، شاعر ہر مرحلہ پر اپنے معتقدات کی آڑ پکڑتا ہے، اور نقاد جہان کا تہان رہجاتا ہے لیکن نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے، اتنی ہی اس مین پرواز مشکل ہے، ہر پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے

کہ فضا ساز گار بھی ملے گی یا نہیں، اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہنچا دے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہئے، کہ وہ عافیت اور کامیابی کے ساتھ وہان سے گذر جائے، ان امور کو مدنظر رکھکر جب ہم محسن کا مطالعہ کرتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے، کہ نعت کی وسیع فضا مین انھون نے خوب خوب پرواز کی ہے، اور بڑے مشکل مقامات بھی انھون نے انتہائی خوبی و خوبصورتی کے ساتھ طے کئے ہین، مضمون مین موضوع کے اعتبار سے جدت، اسلامی تصوف اور ہندی روایات کا امتزاج، حدیث اور عقائد کی صحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مذاق شاعرانہ کے ساتھ نکتہ آفرینی خلوص و محبت کے اظہار مین تہذیب و متانت کا پاس ان کے کلام کی عام خوبیان ہین، ان کا پورا کلام ہموار اور شگفتہ، مضمون بلند، زبان تسنیم و کوثر کی دھلی ہوئی، بندش چست، مثنویون مین قصیدون کی سی شان و شوکت، تشبیب و گریز کے کمالات ایسی خصوصیات ہین، جو شاید ہی معاصرانہ شاعری مین مل سکین، ان سب کے علاوہ ایک امتیاز جو تنہا محسن کو شاعرون کی صف اول مین بٹھا سکتا ہے، ان کی تشبیہات کا ہے، ان کے کلام کا مجموعہ مختصر ہے، لیکن اس مین انھون نے تشبیہ و استعارہ کی وہ داد دی ہے، جو توصیف و تعریف سے مستغنی ہے،

محسن کی نعت مین تخلیقی شان پائی جاتی ہے، یہ اسلئے کہ نعت گوئی اگرچہ ہمیشہ سے موجود تھی لیکن اسے فن کی حیثیت سے کسی اور شاعر نے محسن سے پہلے اختیار نہین کیا اور جن لوگون نے عقیدت کی بنا پر صرف نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا، انھون نے کوئی شاعرانہ کمال پیدا نہین کیا، شعراء کے اردو و فارسی کے جتنے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکرے اور تاریخین راقم السطور کی نظر سے گذرین، ان مین ایسے شعراء کا حال دستیاب نہین ہوا، جن کا مسلک شعری نعت گوئی رہا ہو، اسی ایک بات کو ملحوظ رکھین تو بھی محسن کا درجہ اس سے کہین بلند ہو جاتا ہے جو اب تک انھیں دیا جاتا رہا ہے،

محسن سے پہلے عربی اور فارسی شاعری کے سرمایہ مین نعت گوئی مفقود نہیں ہے، البتہ مقدار و خوبی کے اعتبار سے اسے ادب مین کوئی ممتاز درجہ حاصل نہین ہے، غزل گویون نے بالعموم اپنے دواوین اور کلیات کی ابتدا حمد سے کی ہے، اور حمد کے بعد عموماً نعت اور اکثر اوقات منقبت کو جگہ دی ہے، لیکن یہ چیز کلیۃً رسمی تھی، چنانچہ ہندوستان کے ہندو شعراء جو فارسی اور اردو مین طبع آزمائی کیا کرتے تھے، ان کے کلام مین بھی حمد و نعت اور منقبت کے نمونے موجود ہین،

نعت گو شعراء کی دوسری قسم ان لوگون کی ہے، جو شاعر نہیں تھے، اور نہ کبھی شاعرانہ کمال کے مدعی ہوئے، ایسے شعراء بالعموم مسلمان تھے، جن کو رسول کریم ﷺ کے ساتھ والہانہ الفت تھی فارسی شعراء سے قطع نظر اردو مین ایسے لوگون کی کافی تعداد موجود ہے، شہیدی اور اکبر کا نعتیہ کلام عام طور پر میلاد کی مجلسون مین پڑھا جاتا ہے، اور لکھنے والون کے جذبات موقع کی مناسبت سے تھوڑی دیر کے لئے سامعین کے قلوب مین اتر جاتے ہین، ان کے علاوہ اسی قبیل کے بعض اور نعت گو شاعر ہوئے ہین جن کی طرف عام طور پر توجہ نہین کی گئی ہے، خود راقم الحروف کے وطن مین دلدار علی صاحب مذاق ایک صوفی بزرگ گذرے ہین، آپ کا مزار اب تک مرجع خلائق ہے، اور ہر سال مجلس عرس کا انعقاد ہوتا ہے، آپ کا مکمل دیوان موجود ہے، عوام آپ کو مذاق میان کہتے ہین، اور آپ کا نعتیہ کلام بڑے ذوق و شوق سے سنتے اور سناتے ہین، دلو رام کوثر کا نعتیہ کلام بھی مشہور ہے، ایک اور بزرگ کے کلام کا قدیم مطبوعہ نسخہ راقم السطور کو دستیاب ہوا ہے، ان کا نام مولوی محمد حسین اور تخلص فقیر تھا، ان کے کلام کا مجموعہ "تحفۂ فقیر" کے نام سے باہتمام منشی شادی لال مطبع زیب کاشی مین چھپا تھا، سنہ طباعت و سنہ تصنیف ۱۸۸۵ء ہے، یہ مختصر مجموعہ جو ۲۴ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، غزلون، مسدس اور تضمینون پر مشتمل ہے، اسی زمانہ مین ایک اور گمنام شاعر گذرے ہین، جن کا مجموعۂ کلام "رضوان نعت" کے نام سے، راقم السطور نے اپنے اوائل عمر مین دیکھا تھا،

ان کا نام حکیم سید فضل حق اور تخلص فضل تھا، یہ شنکر لال ساقی کے شاگرد اور قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے، یہ مجموعہ ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے، اور ۱۲۹۰ھ ہجری کے قریب زمانہ کی تصنیف ہے

محسن سے پہلے نعت گوئی کو مستقل فن یا مسلک کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے اختیار نہیں کیا، اور نہ نعت گو شعراء کی طرف کسی نے توجہ کی، محسن نے جب ہوش سنبھالا اور شاعری شروع کی، تو ادب کا تقلیدی دور تھا، یہ ان کا کمال کہئے کہ وہ ان دشواریوں سے گذر کر نعت گوئی کی معراج کمال پر پہونچے،

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ شعر و شاعری میں محسن لکھنؤ کے دبستانِ ادب سے تعلق رکھتے ہیں، لکھنوی شعراء نے بعض اصنافِ سخن میں ایسی ترقی کی کہ اسے بھی تخلیقی کا رنگ دیدیا، انیس سے پہلے مرثیہ گوئی کی وہ شہرت اور عظمت نہیں تھی، جو انیس و دبیر کے کارناموں کی بدولت حاصل ہوئی، بلاشبہ ان دونوں کی شاعری میں بعض نوادر ملتے ہیں، اور یہ صحیح ہے کہ انیس و دبیر سے پہلے کسی مرثیہ گو شاعر کو یہ پایہ نصیب نہیں ہوا تھا، لیکن مرثیہ گوئی بحیثیت فن عرصہ سے رائج تھی، یہ نہ سمجھنا چاہئے، کہ ان لوگوں سے پہلے مرثیہ کا مقصد محض رونا یا رلانا تھا، سودا نے اس کی تردید کی ہے، اور بحیثیت فن اسے بہت مشکل بتایا ہے، سودا سے بہت پہلے دکن میں بھی اس کا رواج تھا، میر انیس کا کمالِ مرثیہ نگاری مسلّم، لیکن اس فن میں خود ان کے والد میر خلیق بہت اونچے پایہ پر ہیں، بلکہ بعض اہلِ نظر تو یہانتک کہتے ہیں کہ بعض مرثیوں میں یہ دھوکا ہوتا ہے، کہ کس کا کہا ہوا ہے،

مرثیہ گوئی کی فنی ترقی دراصل ایران میں ہی شروع ہو گئی تھی، شاہانِ صفویہ میں شاہ طہماسپ کو ائمہ اور اہلِ بیت کرام سے بڑی الفت تھی، اور اسی کے اشارہ پر درباری شعراء نے سلاطین کی مدح و ثنا کو چھوڑ کر اہلِ بیت کرام کی تعریف اور مصائبِ کربلا کے بیان کو

اپنا فن قرار دیا، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ شہرت محتشم کاشی کو حاصل ہوئی جس کا ہفت بند اپنی خوبیوں میں بے نظیر ہے، محتشم کی پیروی اور تقلید دوسرے شعراء نے کی اور مرثیہ کو مستقل فن کی حیثیت حاصل ہو گئی، اور مرثیہ کے بہت سے اصناف پیدا ہوگئے،

ہندوستان میں مرثیہ گوئی اردو کے ابتدائی دور میں ہی شروع ہو گئی، چنانچہ دکن میں بیجاپور اور گولکنڈہ کے شیعہ سلاطین کی بدولت دکن کے شعراء نے مرثیہ گوئی پر خاص توجہ کی، دکنی شعراء کے مراثی عام طور پر دستیاب نہیں ہوتے، لیکن ان مراثی کی جو بیاضیں[1] یورپ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں، انکے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس صنف کو دکن میں بڑا رواج ہوا، دکھنی مخطوطات کے مؤلف کا بھی یہی خیال ہے، کہ جس طرح دکن کے شعراء نے کم از کم ایک دو مثنویاں ضرور تصنیف یا ترجمہ کی ہیں، اسی طرح کبھی نہ کبھی مرثیہ بھی ضرور کہا ہے اور یہ شاید اس وجہ سے کہ ان کے مربی اور محسن سلاطین اثنا عشری تھے، ظاہر ہے، اس دور میں مرثیہ کا بڑا سرمایہ بہم پہونچا ہوگا، لیکن دست بردِ زمانہ سے نہ بچ سکا،

اس کے بعد شمالی ہند کے شعراء میں سودا سے پہلے کم از کم میاں مسکین اور سکندر مشہور مرثیہ گو گذرے ہیں، سودا نے اپنے "شہر آشوب" میں میاں مسکین کے کمال کی طرف اشارہ کیا ہے،

اقساط حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا،
پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے،

سودا نے خود فن مرثیہ گوئی کی ترقی میں پہلا قدم اٹھایا، اور مرثیہ کو مسدس کے طرز میں لکھکر وسعت پیدا کی، میر تقی میر نے بھی مرثیہ میں طبع آزمائی کی، میر ضاحک اور میر حسن کے مراثی

---

[1] یورپ میں دکھنی مخطوطات نصیر الدین ہاشمی،

عام طور پر دستیاب نہین ہوتے، لیکن انیس کا یہ مصرعہ

پانچوین پشت ہے شبیر کی مداحی مین،

صاف بول رہا ہے کہ میر حسن صاحب مثنوی نے بھی ضرور مرثیہ کہا ہوگا،

ایک اہم نکتہ اس موقع پر قابل غور ہے، مرثیہ کے متعلق سودا نے صاف لکھا ہے کہ اس
کا مقصد محض گریہ و بکا نہین، بلکہ یہ ایک مشکل فن ہے" پس لازم ہے کہ مرثیہ در نظر رکھکر مرثیہ
کوے نہ کہ براے گریہ عوام اپنے تئین ماخوذ کرے" اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا، کہ انیس سے
پہلے مرثیہ گوئی بحیثیت فن مروج تھی، انیس سے پہلے بھی خلیق، ضمیر، دلگیر اور دبیر نے اس فن
کو اپنی اصلاح و اضافہ سے ترقی بخشی، انیس نے اپنی خداداد صلاحیتون کو بروے کار لاکر اسے
معراج پر پہنچا دیا، لیکن اس فن مین انھین تخلیقی فن کار کا درجہ دینا بہت مشکل ہے، البتہ یہ اندازہ
لگایا جاسکتا ہے، کہ مرثیہ تخلیقی فن کے نمونے کی حیثیت سے لکھنوی دبستان ادب مین موجود نہین

اور اسی لئے محسن کا نعتیہ کلام بے نظیر ہے،

لکھنوی شاعری کے فریم مین محسن کی تصویر

لکھنؤ کے دبستان ادب کے ساتھ بعض خصوصی امتیازات وابستہ ہین، ان
مین سب سے اہم شاعری مین خارجی پہلو کا بیان ہے، متقدمین شعراے
دکن اور ولی کے ہان شعر کی بنیاد بالعموم جذبات پر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار مین روحانیت
کے جذبات بھی موجود ہین، اسی نے میر اور درد کے کلام کو غیر فانی بنا دیا ہے، شام و سحر کی لاکھون
کروٹین بدلین اور بدلتی رہین گی، لیکن انسان کے جذبات عشق و محبت، سوز اور درد کسک اور تڑپ
نہ کبھی بدلے ہین، اور نہ بدل سکتے ہین، ظاہر ہے کہ ایسے اشعار جن مین یہ مضامین نظم ہون گے، ہمیشہ
زندہ رہین گے، لیکن شاعری کو جذبات سے علحدہ کرکے الفاظ کا کھلونا بنا لیا جائے، جس سے
شاعر دل بہلائین، اور صنعت گری کے نمونے پیش کرین، تو ایسی شاعری کو ثبات نہین، شاعر

جذبات کے اظہار مین صنعت گری کو دخل دینے پر مجبور ضرور ہے، لیکن نری صنعت گری کو
شاعری قرار دینا روا نہین، اور نہ اس نوع کی شاعری کو ہمیشگی نصیب ہو سکتی ہے، لکھنو کی قدیم
شاعری بالعموم صنعت گری کے سہارے قائم رہی، اور یہی سبب ہے کہ وہان کے شعراء کی دماغی
کاوشون کو لوگ اس نظر سے نہیں دیکھتے، جس نظر سے دبستان لکھنؤ کے پیرو اس کا دیکھا جانا
پسند کرتے ہین،

برخلاف اس کے محسن کا کلام جذبات کی غیر فانی بنیادون پر استوار ہے، خلوص او
محبت، شیفتگی اور عقیدت جو محسن کی زندگی کے عناصر تھے، انھی سے ان کی شاعری نے ترکیب
پائی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اب بھی اس مین معنوی دلکشی پائی جاتی ہے، اس اعتبار سے
لکھنوی شعراء مین محسن اپنی آپ مثال ہین،

لکھنویت کا دوسرا اہم عنصر نسائیت ہے، جو لکھنوی معاشرت کے ہر پہلو سے جھلکتا
ہے، بیشتر فرمانروایان اودھ کو مہ جبینون سے بڑا لگاؤ تھا، پھر امراء اور دیگر آسودہ حال طبقون
پر اس کا جو اثر ہوا ہوگا، ظاہر ہے، یہ اثر رفتہ رفتہ اتنا بڑھا کہ زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہوگیا،
مردون نے عورتون کی بولی مین ان کے جذبات ادا کئے، جس مین انھون نے اپنے دور کی عکاسی
کی، اس کی بدولت بعض ایسی مستقل اصناف سخن پیدا ہوئین، جو شاعری کے روشن چہرہ پر کسی طرح
زیب نہین دیتین، اس قسم کی باتین نعت مین دخل نہین پا سکتی تھین، لیکن تعجب یہ ہو کہ نعت خود
کس طرح یہان کی شعر و شاعری مین دخل پا سکی، وہ بھی ایسی نعت اور ایسا نعت گو، جو ہر اعتبار
سے ممتاز و منفرد ہے،

لکھنویت کا تیسرا اہم عنصر ابتذال ہے، جو مذکور الصدر دونون عناصر سے ترکیب پا کر ظہور
مین آیا، یہ پہلو بعض اوقات اس درجہ نمایان ہوگیا ہے کہ اسے بالعموم لکھنویت کا مترادف سمجھا

جاتا ہے، یہ خامیان بعض لکھنوی شعراء کے ہان کم اور بعض کے ہان نسبتہً زیادہ ہین، لیکن ایسی مثال شاذ ہی ملے گی، جو اس سے محفوظ ہو، اور یہ چیز مضمون اور بیان دونون مین موجود ہے، محسن کا موضوع خاص نعت تھا، جس کے مقدس و محتشم بالشان ہونے مین شبہہ نہین کیا جاسکتا، زبان ہمیشہ موضوع کی مناسبت سے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ محسن کی زبان بھی دلکش اور پاکیزہ ہے،

لکھنویت کا ایک اور اہم عنصر صنعت گری ہے، جس کے شوق مین لکھنو والون نے رعایت لفظی اور ضلع جگت مین کمال پیدا کیا، لکھنو کے بعض اچھے اچھے شاعرون کو اسی شوق نے بدنام کر دیا، امانت جن کی قادر الکلامی مین کوئی شبہہ نہین، اور آتش جن کے کمالات مسلّم ہین، اسی بھنور مین پھنس گئے، بعض نے اسمین اعتدال کو ملحوظ رکھکر تلخی پیدا نہ ہونے دی، اگرچہ ان کے ہان بھی آورد نے کلام کو پھیکا اور بے مزہ کر دیا ہے، لیکن ایسے لوگ نسبتہً قابلِ معافی ہین، انیس کم اور دبیر زیادہ اس قسم مین شامل ہین، ان کے ہان صنائع و بدائع کلام کی خوبی کو دوبالا کرنے کیلئے اکثر موجود ہین لیکن نہ ایسے کہ اکتا دینے والے ہون،

محسن کا کلام بھی بلاشبہہ شاعرانہ صناعی کا نادر نمونہ ہے، تشبیہات، استعارات، کنایے مضمون اور معنی آفرینی سب صنعت گری مین داخل ہین، اور اس اعتبار سے انھین آورد اور تصنع سمجھنا چاہئے، لیکن یہ محسن کا کمالِ شاعرانہ ہے، کہ ان کی آورد بھی کلام مین زور لاکر آمد کا لطف پیدا کر دیتی ہے، تشبیہات، استعارات، اور کنایے آسانی سے فہم کے قابو مین آجاتے ہین، مضمون آفرینی مین تخیل پرواز کرکے آسمانون مین غائب نہین ہوجاتا، صنعت گری کی نمایش اور بھرمار کا شوق پڑھنے والے کے لئے وبالِ جان نہین بن جاتے، اور مضمون سے علیحدہ ہوکر محض صنعت برائے صنعت کا عیب بھی نہین ملتا، یہ چیز بھی محسن کو ان کے معاصرین مین ممتاز کرتی ہے،

باین ہمہ لکھنو نے اصلاحِ زبان کی جو کوشش کی ہے، اس کا اعتراف نہ کرنا ناانصافی

ہوگی، زبان کا تعلق انسانون سے ہے، اور انسان کی زندگی کی طرح زبان بھی ارتقا پذیر ہے، آج اردوے قدیم کو جس کا نام دکنی ہے، صحت کیساتھ پڑھنا اور سمجھنا دشوار ہے، ولی نے اسی دکنی کو اردوے معلی شاہجہان آباد کے موافق اور مطابق کرکے اس کی اصلاح کی، میر و سودا نے اسی محنت کرکے وہ زبان تیار کی جو لکھنو مین شعر و ادب کی محفل کے قیام تک ٹکسالی اور مستند سمجھی جاتی رہی، تاہم اس مین بعض الفاظ اور محاورے ثقیل تھے،

لکھنو والون نے جو بالطبع نفاست پسند تھے، زبان کو لطیف اور لچکدار بنا دیا، اس سلسلہ مین ناسخ نے سب سے زیادہ زبان کی خدمت کی جس کا اثر دہلی والون پر بھی ہوا، اور متقدمین کی کی جو باتین لکھنو والون نے ترک کی تھین، اساتذۂ دہلی نے بھی عموماً ترک کر دین،

یہی وجہ ہے کہ لکھنوی شاعری ظاہری حسن و زیور کے اعتبار سے عام طور پر متقدمین کی شاعری سے بہتر ہے، زبان کی صفائی بندش کی چستی، محاورہ اور طرز ادا کا زور، لکھنو کے شعراء کے ہان عام طور پر موجود ہے، محسن بھی اس مین برابر کے شریک ہین،

اب تک ان امتیازات سے بحث تھی، جن مین لکھنو کے بیشتر اساتذہ شریک ہین، لیکن جیسا کہ مذکور ہوا محسن کی انفرادی شان اور ان کا اپنا خاص رنگ بھی ہر جگہ نمایان ہے، ان مین سب سے اہم خلوص و محبت ہے، نعت گوئی ایک طرح کی قصیدہ گوئی ہے، قصیدہ کے باکمالون نے اس صنف مین خوب دادِ کمال دی ہے، تخیل کی پرواز الفاظ کی شان و شوکت، تشبیہات و استعارات کی بلندی، تشبیب و گریز کی جدت سے ان باکمالون نے قصیدے کو ایک دقیق فن بنا دیا تھا، لیکن قصیدے کی بنیاد بیشتر صلۂ دنیوی پر ہے، شاعرون کو قصیدہ لکھتے وقت بالعموم صلہ کا خیال رہتا تھا، جس نے ان کے دل سے خلوص اور صداقت کو محو کر دیا، مدح کے مقررہ مضامین، اس مین مبالغہ کی کثرت، طرح طرح سے اظہارِ مطلب اور کوشش کرکے ممدوح کو

صلہ عطا کرنے پر آمادہ کرنا ان شاعرون کا کام رہ گیا تھا، ان مین اکثر ایسے بھی تھے، جو صلہ نہ پاکر ہجو تیار رکھتے تھے جس کو فی البدیہہ سُنا دینے مین ذرا تامل نہین کرتے تھے، اسی لئے ان قصیدون مین اصلیت اور جوش کا فقدان ہے،

محسن کا کلام اس حیثیت سے قابل قدر ہے، کہ اسکی بنیاد خلوص و محبت پر رکھی گئی ہے محسن نے اپنی شاعری کو اپنی شہرت عزت یا صلہ کا ذریعہ نہین بنایا، اپنی تمناؤن کا اظہار خود کس خوبی سے چراغِ کعبہ کے آخر مین کرتے ہین، رسول کریم ؐ سے خطاب کرنے کے بعد لکھتے ہین:-

جس طرح ملا تو اپنے رب سے
انداز سے شوق سے ادب سے

یون ہی ترے عاصیانِ مہجور،
اکدن ہون تری لقا سے مسرور

صدقے مین ترے یہ آرزو ہے،
دم مین کرین راہِ آخرت طے،

ہو حشر کا دن خوشی کی تمہید
جس طرح سے صبح صادقِ عید

گزرے مری نعت کے سخن مین
رکھی ہو یہ مثنوی کفن مین

پھولے پھلے گلشنِ تمنا،
عقبیٰ مری پھل ہو پھول دنیا

یان شوق و خلوص و التجا ہو،
وان مین ہون آپ ہون خدا ہو

مدیح خیر المرسلین کے آخر مین مناجات کا عنوان ہے،

محسن اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر
کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھر بادل،

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل،

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل،

دین و دنیا مین کسی کا نہ سہارا ہو مجھے
صرف تیرا ہو بھروسہ تری قوت ترا بل

ہو مرا ریشۂ امید وہ نخلِ سرسبز
جسکی ہر شاخ مین ہو پھول ہر اک پھل مین پھل

آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تادمِ مرگ
شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

صفِ محشر مین ترے ساتھ ہو تیرا مداح
ہاتھ مین ہو یہ مستانہ قصیدہ یہ غزل،

کہین جبریل اشارہ سے کہ ہان بسم اللہ
سمتِ کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

ایک رباعی مین فرماتے ہین:-

بندہ کو نگاہِ لطفِ مولا بس ہے
حضرت کا مرے لئے وسیلہ بس ہے

مین مشتِ غبار ہون سہارا مجھکو
دامان رسولِ مصطفیٰ کا بس ہے

یہ خلوص نعت کے علاوہ ان کی غزلون اور دیگر اصناف سخن مین بھی موجود ہے:-

لیکن صرف خلوص و محبت اور اصلیت و صداقت نے محسن کا پایہ بلند نہین کیا، اس موقع پر یہ امر بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے، کہ ہر موقع پر شاعرانہ انداز بیان کو بڑی خوبی سے نباہا گیا ہے اور ان دونون کے امتزاج نے ہی ان کے کلام کو پر کیف اور با اثر بنا دیا ہے، یہ امتیاز ان کے ابتدائی عمر کے کلام مین بھی موجود ہے، پہلا قصیدہ گلدستۂ رحمت ہے، جو ۱۲۵۸ھ مین تصنیف ہوا، اس وقت ان کی عمر صرف ۱۶ سال کی تھی، اس کا مطلع ہے:-

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن
غنچہ ہے نامِ خدا نافۂ آہوئے ختن

اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہون:-

جملہ انبتہ اللہ نباتاً حسناً
ان دنون فصل بہاری مین ہے طغرائے چمن

رشک شمشاد اگا کرتے ہین نخلِ قامت
سرو گلزار زمین پر جو ہوا سایہ فگن

خط گلزار ہوا جس نے لکھا خطِ غبار
ہو گیا کاغذ مکتوب زمین گلشن

دوسرا مطلع ہے:-

ہان مین مفتون ہون اسی رشک چمن کا کہ چمن
جسکی صورت سے سدا خار ندامت در تن

اسکو بیجا ہے گلستان کا مشبہ کہنا — کہئے کیسے کہ وہ ہے لالۂ رخ و نسرین تن

پورے قصیدہ مین وہ تمام خوبیان جو اچھے قصیدہ گو شعراء کے کلام کا زیور ہین، اس مین جھلکتی ملین گی، کمالِ شاعرانہ کی تفصیل آگے آئیگی۔

محسن کے نعتیہ کلام مین سب سے زیادہ شہرت ان کے مشہور قصیدہ مدیح خیر المرسلین کو نصیب ہوئی، جو ۱۲۹۳ھ مین تصنیف ہوا، اسی ایک قصیدہ کو سامنے رکھکر محسن کے کلام کا جائزہ لیا جائے، تو بھی ان کی شاعرانہ خوبیان نمایان ہوجاتی ہین، قصیدہ نعت مین ہے، لیکن اس کا مطلع ہے،

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

اس کے بعد تشبیب مین متھرا، گوکل، کنھیا اور گوپیون کا ذکر کیا ہے، بعض حضرات نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے، کہ نعتِ رسولِ اکرمؐ کے سلسلہ مین ان چیزون کا بیان بے موقع اور بے محل معلوم ہوتا ہے، اس اعتراض کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے، کہ یہ نظم قصیدے کی صنف سے تعلق رکھتی ہے، اور قصیدے مین تشبیب کے مضمون کی قید نہین، کہین ذکر شباب ہے تو کہین مضامینِ عشقیہ کا بیان، کہین شکایتِ زمانہ ہے اور کہین اپنے حال کا رونا، کسی نے خاص مضمون کی غزل لکھدی ہے، اور کسی نے متفرق مضامین کی غزل، اور بعض ایسے قصیدے بھی موجود ہین، جن مین تشبیب موجود ہی نہین ہے، عربی شاعری مین اس قسم کی بکثرت مثالین موجود ہین،

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تشبیب کے پڑھنے کے بعد گریز کا مضمون دیکھکر کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہین رہتی، محسن نے خود اسی جواب کو تفصیل کے ساتھ نظم کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

پڑھے تشبیب مسلمان مع تمہید و گریز — رجعتِ کفر بایمان کا کرے مسئلہ حل

کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایمان پر، — شب کا خورشید کے اشراق سے ہو تفصیل

چشمِ انصاف سے دیکھ تو قصیدے کی تشبیب — نیمِ رُخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل

ظلمت اور اس کے شکارہ میں ہو طولِ سخن — مگر ایمان کی کہئے تو اسی کا تھا محل

غلبہ و سطوتِ ظلمت کے بیان مین مضمر — شوکت اس نور کی ہے جس نے کیا مستاصل

کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دینِ خدا — مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسنِ عمل

مدعا یہ ہے کہ اندوہ کی سیہ بختی سے — ظلمتِ کفر کا جب دہر میں چھایا بادل

ق

ہوا مبعوث فقط اس کو مٹانے کیلئے — سیفِ مسلولِ خدا نورِ نبی مرسل

مہرِ توحید کی ضو اوجِ شرف کا مہِ نو — شمعِ ایجاد کی لَو بزمِ رسالت کا کنول

اسے دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھئے تو بجائے عیب کے اس مین ایک خوبی مضمر ہے، پڑھنے والے کو اسلامی تصوف اور ہندی تخیل کا سنگم نظر آتا ہے، جو لوگ سری کرشن کی داستانِ عشق اور اس رومانی فضا سے آشنا ہین، جو ان کے وجود سے برج کے علاقہ مین موجود تھی، وہ اس کی تاثیر کو خوب محسوس کرتے ہون گے، ہمارے ناقدین نے ہماری عام شاعری پر یہ اعتراض کیا ہے، کہ ہندوستان مین رہ کر بھی ہمارے شاعرون کا تخیل عرب کے بے برگ و گیاہ صحراؤن اور ایران کے "نغمہ زار و سبزہ زار و جوبیار" مین بھٹکتا پھرتا ہے، وہی تشبیہات، استعارات اور تلمیحات جو متقدمین شعرائے فارس کے یہان عام ہین، وہی ان کا ورثہ ہین، لیکن چونکہ ان کا تعلق براہِ راست ایران کی سرزمین، تاریخ یا خاص ایرانی تہذیب و معاشرت سے ہے، اس لئے ہندوستانی شاعری مین جس کے مخاطب ہندوستانی ہین، ان کا شمول لطف کو دوبالا کرنے کے بجائے شاعری کو بے مزہ بنا دیتا ہے، سری کرشن کی داستانِ حیات رومان و محبت

کی کہانی ہے، لیکن اس مین ابتذال، رکاکت اور سوقیانہ حالات و واقعات کا شائبہ نہین، بلکہ ہر جگہ خلوص و عقیدت، مذہبیت اور احترام کی جھلک زیادہ ہے، چونکہ ہندوستانی عام طور پر اس قصہ سے واقف ہین، اور بعض رسمین اور تہوار ابھی تک ان پرانے واقعات کی یاد تازہ رکھنے کے لئے منائے جاتے ہین، اس لئے تشبیب مین ان کے ذکر سے رومانی فضا پیدا ہوگئی ہے، جو اثر سے لبریز ہے، کسی اور مضمون سے یہ کیفیت یا تشبیب مین یہ زور پیدا کرنا مشکل تھا،

مضمون کے اعتبار سے اس قصیدے اور محسن کی شاعری کے دوسرے کارنامون کو پرکھئے، تو ان مین سب سے ممتاز صنعت جدت کی نظر آئے گی، جیسا کہ مذکور ہوا، ہماری شاعری بالعموم تقلیدی ہے، اور ہمارے شاعر تقلیدی آرٹسٹ، غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، غرض ہر صنف کے مخصوص مضامین پیدا ہو گئے تھے، بقول حالی یہی ہزار بار کی چچوڑی ہوئی ہڈیان تھیں، جو ہمارے شاعرون کے لئے سرمایۂ افتخار بنی ہوئی تھیں، محسن کے معاصرین بھی اس رسمی اور تقلیدی شاعری کے چکر سے آزاد نہ ہو سکے، اسی لئے ان کے یہان ہجر و وصال کی داستانین شکوے شکایتین، خاص خاص حکایتین، گل و بلبل کے مضامین، مے و مینا کی گردش سے پرانے زمانہ کی یادگارون کا ایک عجائب خانہ نظر آتا ہے، جو رفتہ رفتہ اصلیت سے دور اور ابتذال و رکاکت سے قریب تر آگیا، لیکن محسن نے اپنے دامن کو اپنے ہی پھولون سے بھرا، ایک قصیدے کی تشبیب کے مضامین ملاحظہ ہون،

کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہِ نو کی کشتی ۔ بحرِ اخضر مین تلاطم سے پڑی ہے ہلچل
شاہدِ کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ ۔ چشمِ کافر مین لگائے ہوئے کافر بادل
جوگیا بھیس کئے چرخ لگائے ہے بھبوت ۔ یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمبل
جس طرف دیکھئے بیلے کی کھلی ہین کلیان ۔ لوگ کہتے ہین کہ کرتے ہین فرنگی کونسل

صاف آمادۂ پرواز ہے شاہا کی طرح ۔ پر لگائے ہوئے مژگانِ صنم سے کاجل
خوب چھایا ہے سرِ گوکل و متھرا بادل ۔ رنگ مین آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل
شاہدِ گل کا لئے ساتھ ہے ڈولا بادل ۔ برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل
جبتک برج مین جمنا ہو یہ کھلنے کا نہین ۔ ہے قسم کھائے اٹھائے ہوئے گنگا بادل
راجہ اندر ہے پریخانہ لئے کا پانی ۔ نغمۂ نے کا سری کرشن کنھیا بادل

ایسی نرالی تشبیب آپ کو اردو کے کسی دوسرے شاعر کے ہان تلاش سے بھی نہین ملے گی، ذوق و سودا قصیدے کے بادشاہ ہین، لیکن ان کی کسی تشبیب مین ایسی جدت اور زور نہین، یہ مضامین تشبیہات، استعارات اور خیالات جو خالص ہندوستانی فضا کی پیداوار ہین، محسن ہی کا حصہ ہین، اسی سے معلوم ہوتا ہے، کہ محسن کی پاکیزہ طبیعت عوام کی پامال شاہراہ سے بچکر اپنا راستہ الگ بنانا چاہتی تھی، یہی وجہ ہے کہ انھون نے سرزمینِ نعت مین اپنی جدت پسندی سے رنگ رنگ کے پھولون کا ایک گلزار کھلا دیا ہے،

جدت پسند طبیعت سے ہی مضمون آفرینی کا سلسلہ ملتا ہے، ایرانی شعرا نے اپنے تخیل سے مضمون آفرینی کے نوادر پیش کئے ہین، لیکن اکثر مضمون آفرینی کے شوق مین کوہ کندن و کاہ برآوردن کے مصداق بھٹک کر بہت دور نکل گئے ہین، ہندوستان کے فارسی گو شعرا مین بیدل اور ان کی تقلید مین اردو شعرا مین غالب نے اس طرف بطور خاص توجہ کی، ابتداے عمر مین غالب کا کلام اسی شوق کی بدولت مہملات سے جا ملا تھا، جب عمر اور مشق نے اصلاح کا ہاتھ رکھا تو سلاست کے راستہ پر آگئے، غالب کے علاوہ بعض اور جدت پسند شاعر اس طرف متوجہ ہوئے جن مین مومن نے بڑا نام پیدا کیا، لکھنؤ کی شاعری مین وارداتِ قلب کو اساسی حیثیت نہین دی گئی، بلکہ پرواز و صنعت گری پر صرف کیا گیا، اور اس شوق نے یہان تک ترقی کی، کہ

یہان کے بیشتر شعراء معمہ اور چیستان گوئی کی بھول بھلیان مین بھٹکنے لگے، خیال آرائی اور مضمون آفرینی کا اکثر نتیجہ یہی دیکھا گیا ہے کہ شاعر چیستان اور معمے کہنے لگتا ہے، آخر عمر مین محسن کو بھی معمہ گوئی کا شوق پیدا ہو گیا تھا، لیکن ان کی عام شاعری اس عیب سے پاک ہے، اس مین مضمون آفرینی ہے، لیکن اعتدال کا دامن کہین ہاتھ سے نہین چھوٹتا ہے، چند مثالون سے اوکی وضاحت ہو جائیگی،

جگنو پھرتے ہین جو گلبُن مین تو آتی ہے نظر　　مصحفِ گل کے حواشی پہ طلائی جدول

سبزۂ چرخ کو اندھیاری لگا کر لایا　　شہسوارِ عربی کے لئے کالا بادل

قبلۂ اہلِ نظر کعبۂ ابروے حضور　　موئے سر قبلہ کو گھیرے ہوے کالا بادل

مثنوی چراغِ کعبہ مین اس قسم کی بے شمار مثالین ہین،

کاغذ مین سطور کا تسلسل　　ہے کھیت مین چاندنی کے سنبل

شبدیز قلم کی شانِ اعلی　　جنگل مین براق کے غزالا

تحریک اناملِ سخنگو　　جبریلِ امین کا زور بازو

از رفعتِ من چہ پرسی　　ہر حرف کی عرش پہ ہے کرسی

شبِ معراج کا ذکر کرتے ہوئے کس خوبی سے نئے مضمون پیدا کئے ہین :-

بھیگی ہوئی رات آبرو سے　　داخل ہوئی کعبہ مین وضو سے

اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام　　شبنم کی ردا بقصدِ احرام

گویا کہ نہا کے آئی فی الحال　　جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال

کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے　　سر سے پا تک عرق عرق ہے

بے محرمون سے چھپائے چہرہ　　پروین کو بنائے منہ کا سہرا،

خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے　　لپٹے ہوئے بالون مین وطن کے

یا تازہ بسی ہوئی ختن کی　　کلیان یوسف کے پیرہن کی

براق کی صفت :-

چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل　　کھیت اس کا بہشت خلد جنگل

مہ پارہ فلک سے آنے والا　　اطلس کو کتان بنانے والا

یون چرخ سے نکلے وہ سبکرو　　فانوس سے جس طرح کہ پرتو

شیشے سے پری چمن سے شبنم　　سیپی سے گہر حباب سے دم

سراپائے رسولِ اکرمؐ کے سلسلہ مین بھی چند شعر دیکھئے :-

ابرو پہ جبین مہ شمائل　　رکھی ہوئی رحل پر حمائل

والّیل کا ترجمہ ہے گیسو　　تفسیرِ اذا سجیٰ ہے گیسو

جوہر کا بھرا ہوا خزینہ　　آئینہ بے مثال سینہ

رعنائی قامتِ مناسب　　روزے مین اذانِ وقتِ مغرب

(باقی)

مجمع النفائس

از

جناب اقبال انصاری، ایم اے، ریسرچ اسکالر پی ایچ ڈی لکھنؤ یونیورسٹی

(۲)

کتاب پر تنقیدی نظر

تذکرہ پر تنقیدی نگاہ ڈالنے سے قبل اس زمانہ کے ماحول، سوسائٹی اور خود مصنف پر روشنی ڈالنی ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ اس کا پس منظر، اور مصنف کی شخصیت پورے طور پر سامنے آجائے، اور وہ واقعات بھی واضح ہوجائیں جو اس کتاب کی تالیف کے محرک ہوئے۔

خان آرزو کی صغرسنی مین باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، کوئی دوسرا عزیز و بیگانہ ایسا نہ تھا جو اسکی تعلیم و تربیت کرتا، چنانچہ وہ ماں کی خدمت کے ساتھ خود تحصیل علوم کرتا رہا، اس کا باپ عالمگیری دربار مین ایک بڑے منصب پر فائز ہوچکا تھا، اگرچہ وہ سپاہی پیشہ تھا، لیکن ادب و شاعری سے لگاؤ رکھتا تھا، چنانچہ دوران قیام گوالیار مین خان آرزو کو راتون کو سو دو سو اشعار یاد کرادیا کرتا تھا، جو بعد مین اس کی شاعری کا سرمایہ بنے بہرحال باپ کی قبل از وقت موت نے گھر برباد کردیا، عسرت و تنگدستی کے بادل امنڈ آئے، مگر اس ہوشیار لڑکے کے قدمون مین کوئی لغزش نہ پیدا ہوئی، وہ تمام مصیبتوں کے باوجود گوالیار ہی مین مقیم رہا، ماں کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا، مجمع النفائس مین جہان اپنا ذکر کیا ہے، وہان اپنی ہر نقل و حرکت کو ماں ہی کے حکم کی تعمیل بتایا ہے، یون ہی زمانہ گذرتا رہا، غربت و مصیبت کی گود کا پلا ہوا سپاہی علوم کی تحصیل اور گھر کی بگڑی ہوئی

حالت کو سنبھالنے میں پندرہ سولہ برس کے سن تک استقلال سے کام لیتا رہا، اٹھارہ برس میں جبکہ خود اس دنیا کو بہت کچھ دیکھ چکا تھا، عالمگیری لشکر کے ساتھ دکن جانا ہوا، وہاں سے نو مہینے کے بعد لوٹا، اس وقت اس کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا، سلطنت کی تباہی، بھائی بھائی کی خانہ جنگی اور طوائف الملوکی سے دنیا کی بے ثباتی اور جاہ و ثروت کے فریب اس کی نظروں میں بالکل عریاں ہوگئے، اس ماحول نے اس کو اور زیادہ مستقل مزاج متحمل، بردبار اور متواضع و متوکل بنا دیا، میر محمد افضل سرخوش، بیدل، مرزا معز فطرت، میر عبد الجلیل بلگرامی اور ناصر علی سرہندی کی نغمہ سرائیوں اور ان کے اخلاقی محاسن نے اس کے مذاق سلیم پر جلا کر کے اسے انتہائی سنجیدہ، حلیم، مہذب، شایستہ اور خلیق بنا دیا اور ابھی اس کی عمر چوبیس ہی پچیس برس کی تھی کہ وہ لوگوں کا معتمد علیہ ہوگیا، فرخ سیر کے زمانہ میں شاہی دربار کی وابستگی نے اسے کافی روشناس اور اس کی ذکاوت و ذہانت نے بزرگوں اور خردوں سب کو اس کی جانب متوجہ کردیا، اس طرح جلوس محمد شاہی سے قبل ہی خان آرزو نے بہترین عنصر جذب کرنے کے لئے زمین تیار کرلی تھی، محمد شاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد اسکی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، اس دور میں ہندو مسلم کا احساس اور سنی شیعہ جذبات نام کو بھی نہ تھے، لیکن ایرانی و ہندوستانی نزاع بہت کچھ جڑ پکڑ چکی تھی اور سوسائٹی پر ایرانی رنگ غالب تھا جس میں انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت تھی،

خان آرزو پہلا ہندوستانی ہے جس نے ایران نوازی ترک کرکے ہندوستان کی تعریف کی اور ہندیوں کے رسوم وغیرہ کو جواب تک ناقابل التفات سمجھے جاتے تھے واضح کیا، فارسی اور اس کے استبداد کا ایوان جو اکبر کے زمانہ سے مستحکم ہوچکا تھا، خان آرزو کے زمانہ تک قائم تھا، چنانچہ ایرانیوں کی قدر و منزلت اس کے باوجود کہ وہ ہندیوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور ان کو گالیاں دیا کرتے تھے باقی تھی، ایرانی مسلم الثبوت استاد مانے جاتے تھے اور زبان کے معاملہ

میں جاہل سے جاہل ایرانی بھی استناد و استشہاد میں پیش کیا جاتا تھا جب دو سو برس کی پرانی اور مضبوط سوسائٹی کا یہ حال ہو اسکا یک قلم قلع قمع کر دینا کوئی معمولی بات نہ تھی، اس میں اس کو عزم راسخ و استقلالِ کامل سے کام لینا پڑا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس نے اپنے کو نمایاں کر کے تقرب سلطانی حاصل کیا اور محمد شاہ کے دربار کا ملک الشعرا بنا، اس وقت سے اس کی ہر بات سند مانی جانے لگی اور کلام پر سبحان اللہ کا شور مچنے لگا، اس کے بعد اس نے ادب و شعر کی بنیاد ہندی چیزوں پر رکھی، اور اپنے اشعار میں اکثر و بیشتر ہندی الفاظ استعمال کرنے لگا اور اپنے کمال سے ثابت کر دیا کہ ہندی کسی طرح ایرانیوں سے کم نہیں، بلکہ استناد و استشہاد کیلئے ان سے بہتر ہیں، کبھی بیدل و امیر خسرو کے تصرفات کو صحیح مان کر بیدل کی عظمت یوں قائم کی" چوں از راہ قدرت تصرفات نمایاں در فارسی نمودہ، مردم ولایت و کاسہ لیساں آنہا کہ از اہل ہند اند در کلام این بزرگوار سخنہا دارند و فقیر در صحت تصرفات صاحب قدرتانِ ہند ہیچ سخن نہ دارد بلکہ قائل آن است" (مجمع النفائس) کبھی ایرانیوں کی غلطیاں اور تصرفات دکھا کر دعویٰ کیا کہ" تصرف صاحب قدرتانِ ہند در فارسی چرا جائز نہ باشد؟" (مثمر)

اس کی اس کوشش نے ہندی فضلا کو دقیع بنا دیا اور وہ خانِ آرزو میں جذب ہوتے گئے، اس کا حلقۂ احباب وسیع ہونے لگا، تلامذہ کی تعداد بڑھنے لگی، ہندوستانی اربابِ کمال کے علاوہ خود ایرانی اساتذہ بھی جو شاہی دربار سے متوسل تھے، اس کی باتوں اور دلائل پر قبول کی مہریں ثبت کرنے لگے اور خانِ آرزو درباری شعراء کا سرتاج بن گیا، جب اس کے فضل و کمال کا سکہ لوگوں پر بیٹھ چکا اور تلامذہ کی فوج تیار ہو چکی، اس وقت اقلیم سخن کے اس فرمانروا نے بغاوت کا علم بلند کیا اور اس کے حریفِ مقابل شیخ علی حزیں سے جنگ کی ٹھہری، شیخ نے ایران نوازی، اور اپنی عالی منصبی کے زعم اور ہندوستان سے نفرت کے جذبہ میں ہندو

اور ہجو کو سپر بنایا، لیکن اب انقلاب کی زمین تیار ہو چکی تھی، اس لئے لوگ اُن کے دشمن ہو گئے، کشمیریوں نے ہجو کشمیر کا بدلہ لیا، ثبات نے اپنے باپ کی ذلت کے انتقام میں حزیں کے دیوان سے تقریباً پانسو ایسے اشعار نکالے جن کے مضامین شعرائے متقدم کے کلام سے ماخوذ تھے، امراء شیخ کے پہلے ہی سے دشمن تھے، خود خان آرزو بھی ان کی گالیوں کا نشانہ بن چکا تھا، چنانچہ اس نے حزیں پر تنبیہ الغافلین لکھ ڈالی، جس میں شیخ کے تقریباً چار سو اشعار پر نکتہ چینی کی اور یہ اعتراضات اپنے تلامذہ کو زبانی یاد کرا دیئے، جہاں شیخ جاتا وہ اعتراضات سنائے جاتے، شیخ بگڑتا اور گالیاں دیتا، یہ چیز خانِ آرزو کے مقصد کے حصول میں نہایت مفید ثابت ہوئی اور ہندیوں میں ایرانیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ اتنا بڑھا کہ شیخ کا دہلی میں رہنا دشوار ہو گیا اور وہ وہاں سے نکل گئے، ایک ہندی نژاد کا یہ دلیرانہ اقدام اس قدر کامیاب ثابت ہوا کہ لوگوں کی نظروں میں ایرانیوں کی جہالت، ہندوستان سے ان کی نفرت، ان کے سرقوں اور مبلغ علم کا پردہ فاش ہو گیا، اور روز بروز اُن کی قدر و منزلت لوگوں کی نگاہوں سے گرنے لگی

دوسری طرف خانِ آرزو نے یہ تدبیر کی کہ ایرانی اساتذہ مثلاً عرفی، ظہوری، طالب آملی، زلالی خوانساری، مرزا صائب وغیرہ کے کمالات کا اعتراف کر کے اپنی بے تعصبی ظاہر کی، مثلاً ملا منیر لاہوری کا جواب لکھا اور سراج منیر لکھ کر ایرانی اساتذہ کی اہمیت واضح کی، قدسی کی استادی پر دادِ سخن دی، تذکرہ مدون کر کے ایرانیوں کے حسن و قبح اور ہندوستانیوں کی ادبیت و شعریت کو ظاہر کیا، ان تمام تصانیف میں خانِ آرزو نے جذبات و ذاتیات کے بجائے اصول کو مدنظر رکھا، اس کی جنگ اگرچہ علی حزیں سے تھی لیکن اس سلسلہ میں اس نے تمام ایرانیوں کے نقائص اور سقم ظاہر کر کے جنگ کو عالمگیر کر دیا، مثمر میں ہندی، لاطینی، یونانی اور عربی زبان میں ایرانیوں کے تصرفات، ایران کے مختلف خطوں میں تلفظ کا اختلاف، ان کے یہاں ہندی الفاظ

کا استعمال دکھا کر ہندیوں کا فارسی زبان میں تصرف جائز قرار دیا، اور اس کام کی تکمیل انندرام مخلص سے کرائی، مخلص کو شاعری میں محض "برابر فکر اُو کسے در ہندو نیست"۔ (ریاض الشعراء) کی سند حاصل نہیں تھی، بلکہ اس کی افتاد طبیعت کچھ ایسی تھی کہ وہ عجائب و غرائب کو بہت پسند کرتا تھا، زبان دانی کا مدعی اور اہل زبان سے برابر مقابلہ کیا کرتا تھا، ادبی محفلوں میں اہل ایران کے ساتھ حریفانہ گفتگو کرتا اور ان کے کلام پر تنقید کر کے ہندیوں کا کلام قابل استناد ثابت کرتا،

زوال سلطنت مغلیہ کے وقت فارسی زبان پر بھی کافی اضمحلال طاری ہو چکا تھا، انشا پردازی میں مختلف قسم کی بحثیں و نزاعیں پیدا ہو چکی تھیں، انہی میں ایک نزاع "استعمال الفاظ ہندی در فارسی" کے متعلق تھی، ایک گروہ کا خیال تھا کہ ہندی الفاظ کی آمیزش فصاحت میں فرق پیدا کر دیتی ہے اور دوسری جماعت کا دعویٰ تھا کہ جب ترکی، تورانی، عربی وغیرہ کے میل سے فارسی میں کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہوتی، تو ہندی جو فارسی کی ہم نسل ہے، کیوں اس قابل نہیں شمار کی جاتی؟ اس گروہ کے امام "سراج المحققین" خان آرزو تھے، مخلص اس بارہ میں اُن ہی کا پیرو تھا اور خانِ آرزو ہی کے ایما سے ایسی کتابیں تصنیف کیں جن میں ہر حیثیت سے ہندیوں کی فضیلت دکھاتے ہوئے فارسی میں ہندی الفاظ کا استعمال جائز قرار دیا، مرآۃ الاصطلاح میں ایک مقام پر لکھتا ہے، "اعتقاد بعض عزیزان است کہ الفاظ ہندی در فارسی آوردن نیست .... ایں چیزہا برائے خامان و مبتدیان مضائقہ دارد، اہل قدرت و استعداد مختار اند" بعینہ اسی طرح کا خیال چمنستان میں ظاہر کیا ہے کہ فارسی میں ہندی الفاظ کا استعمال قادر الکلام لوگوں کے لئے جائز ہے، خان آرزو نے بھی سینکڑوں جگہ مثمر، مجمع النفائس، چراغ ہدایت و سراج اللغۃ وغیرہ میں یہی خیال ظاہر کیا ہے، مخلص اور خان آرزو کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ وارستہ و آزاد بلگرامی کی "ایران پسندی" کے باوجود فضلاء کے معتد بہ حصے نے خان آرزو کا ساتھ دیا اور

ایران کی فضیلت اور اس کے استبداد کی چولیں ہلا دیں، تذکرہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جنگ کی اصل بنیاد کیا تھی اور اس نے کیونکر ایرانی و ہندوستانی نزاع کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا، ایرانیوں کے متکبرانہ برتاؤ کے متعلق لکھتا ہے۔ "بنازم انصاف مرزائے (صائب) مرحوم را، قلقچیانِ حال ایران و صاحبان گنج بادآورد کلامِ ہندی را بخاطر نمی آرند.....۔" (مجمع النفائس)

خانِ آرزو کی طبیعت میں قدرت نے جدت طرازی، شوخی و ظرافت اور معقول پسندی کا وہ مادہ ودیعت کیا تھا جس کے سبب وہ ہمیشہ ایرانیوں پر غالب اور اُن کے اصل رنگ روپ کو ہمارے سامنے پیش کرتا رہا، اس کا طریقہ تھا کہ جب وہ کسی ایرانی کو فاحش غلطی کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کی رائے سے اتفاق کرتا پھر ان غلطیوں پر تنقید کر کے اسے احمق ثابت کرتا.

مثلاً سعید اشرف کا شعر ہے،

داد از رانیاں ہندوستاں .. .. مارانیاں ہندوستاں

یہ گالی تھی، خانِ موصوف نے اس کا جواب یوں دیا کہ مثمر میں جب ہندی الفاظ میں ایرانیوں کے تصرفات دکھائے تو اس شعر کو بھی پیش کیا اور کہا کہ ہندی "مرانی" (مہارانی) بولتے ہیں اور ایرانیوں نے "مارانی" لکھا ہے جو بالکل غلط ہے، کبھی نہایت سنجیدگی سے زبردست چوٹ کر جاتا ہے، مثلاً ایک ایرانی شاعر تازگی نے جس کا ذکر مجمع النفائس میں ہے بکثرت غلطیاں کی ہیں، اس کے متعلق لکھتا ہے، "فقیر گوید ہر گاہ احوالے زباندان چنیں باشد وائے بحال مردم شعرائے ملک دیگر کہ بہ فارسی سخن رانند، دریں صورت اگر ہزار غلط از ہندی واقع شود برابر یک غلط اہل زبان نہ بود . . . ." ایرانیوں کی تلخ باتیں سُن کر پی جاتا تھا، کوئی جواب نہ دیتا اور ان کے کلام کی تنقید میں اس کا بدلہ لیتا تھا لیکن انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا تھا، دوسروں کی غلطیوں کو واضح کرنے کیساتھ اسکو خود اپنی غلطیوں کے اعتراف میں تامل نہ ہوتا تھا،

خانِ آرزو نے اساتذہ کی موافقت کرکے اُن پر اعتراض کرکے، ان کے مسلّمات پر نقد وجرح کرکے خود اپنی فروگذاشتوں کو واضح کرکے ایرانی شعراء کا جس جس انداز میں مذاق اڑایا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایرانی ہندیوں کی نظروں سے گر گئے اور خانِ آرزو کی اس کوشش نے سوسائٹی کا رنگ بدل دیا اور یہ بات ثابت کردی کہ ہندوستانی کسی حیثیت سے بھی کسی طرح ایرانی اہلِ زبان سے کم نہیں ہیں، یہ شرف اور امتیاز صرف خانِ آرزو کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے علم وکمال کو اپنے ملک وقوم کی سربلندی کے لئے صرف کیا جس سے فیضی اور ابوالفضل جیسی ہستیاں بھی خالی نہیں، ان کے یہاں وہی درباداری اور خاکہ کشی ہے، اس کے برخلاف خانِ آرزو کے یہاں اور چیزوں کے ساتھ ہندوستانیت ہی، ہندوستان کو وہ اپنا ملک سمجھتا ہے، اپنی پرانی تہذیب ومعاشرت کو مقبول بنانے کی کوشش کرتا ہے، اپنی شاعری وادب کو ہندیوں کی عزت ووقار میں صرف کرتا ہے اور اپنی تحریروں سے ایرانی کبر ونخوت کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیتا ہے، یہ ہے وہ بنیاد جس پر یہ کتاب لکھی گئی، ادبی حیثیت سے مصنف کا پایہ معاصر وغیر معاصر تمام تذکرہ نگاروں میں مسلّم ہے، اور خود اس کے کارنامے اس کے شاہد ہیں،

ذاتی حیثیت سے خانِ آرزو پاک مشرب، بے ریا، مہذب، زندہ دل، یارباش، متواضع، منکسر اور باوقار انسان تھا، وہ محمد شاہ کے دربار میں جس منصب جلیل پر فائز تھا اس کے اعتبار سے اس کو عوام سے میل جول کم رکھنا چاہئے تھا، لیکن اس کے برعکس اگر ایک طرف محمد شاہ، امیر خاں انجام اور اسحاق خاں شوستری سے اس کی صحبتیں رہا کرتی تھیں تو دوسری طرف وہ اپنے تلامذہ اور عوام سے بھی بعینہ اسی طرح ملتا تھا، عجز وانکسار کا یہ حال ہے کہ تذکرہ بھر میں اپنے لئے فقیر، ہیچمدان، ناچیز، پیر عاصی، عصیاں شعار وخاکسار وغیرہ کے علاوہ کوئی فخریہ لفظ استعمال نہیں کرتا، اپنی تحریروں کو حقیر بتاتا ہے، گو اس کا درجہ اساتذہ کا تھا لیکن ہر جگہ اپنے کو ناقص

ہی لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مقتدایانِ فن کی گردِ قدم تک بھی نہیں پہنچ سکا ہوں،

خانِ آرزو کی زندگی کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جیسے لوگ دنیا میں قسمت کے ہاتھوں "ترنجِ زرافشانِ پرویز" کی طرح دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے نہیں پیدا کئے جاتے بلکہ خدا ان کو ابتلا، اور امتحان کے بعد عزت و بزرگی کی مسند پر بٹھاتا ہے کہ مصیبت و آزمائش اصلاح وتربیت کا بہترین وسیلہ ہے، جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، خانِ آرزو کی عظمت اس کی زندگی اور موت دونوں میں مسلّم رہی، چنانچہ اس کے معاصرین میں آزاد، خوشگو، والہ و نقش علی کے علاوہ متاخر تذکرہ نگاروں میں شفیق، بھگوان داس، درگا داس، علی ابراہیم، حسین قلی خاں عظیم آبادی عبرتی اور احمد علی ہاشمی سندیلوی وغیرہ سب نے اس کے شعر وادب کا اعتراف کیا ہے، فارسی تذکروں کے علاوہ اردو کے اکثر قدیم وجدید تذکروں میں بھی اس کی شخصیت نہایت ممتاز ہے، چنانچہ میر، میر حسن، گردیزی، قاسم، قائم علی لطف اور مصحفی وغیرہ نہ صرف آرزو کے کمالات کے معترف بلکہ اس سے مرعوب نظر آتے ہیں، میر تو یہاں تک لکھ گئے ہیں "کمالات او شان از حیزۂ بیان بیرون است"۔ قائم کا بیان ہے کہ "در فضیلت وکمال فوقش متصور نیست"، اور میر حسن کے نزدیک "امیر خسرو کے بعد ایسا صاحبِ کمال کوئی سننے میں نہیں آیا"۔ خانِ آرزو ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ میر، سودا، درد اور مظہر جیسے نامور شعراء ان کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں، میرا تو ذاتی خیال یہ ہے کہ آرزو کے اور کمالات کو چھوڑ کر تنہا مجمع النفائس ہی ان کو زندگی جاوید دینے کے لئے کافی ہے، یہ کتاب محض تذکرہ ہی نہیں ہے، بلکہ بہترین تنقید، بہترین ظرافت اور بلند پایہ شعر وادب کا وہ شاہکار ہے جس کی مثال متقدمین ومتاخرین کسی کے یہاں نہیں ملتی، اس میں ادب کا وہ تنوع اور چاشنی ہے جو تحفۂ سامی، کلمات الشعراء، تذکرۂ خوشگو، عرفات، تذکرۂ طاہر، خزانۂ عامرہ، سرو آزاد، ریاض الشعراء، سفینۂ بے خبر اور مردم دیدہ وغیرہ کسی میں نہیں

حالانکہ یہ سب تذکرے تھوڑی تقدیم وتاخیر کے ساتھ قریب قریب ایک ہی زمانہ کی پیداوار ہیں یہ تذکرہ متقدمین ومتاخرین کے درمیان حد فاصل ہے جس میں اسلاف کا بھی رنگ موجود ہے اور آیندہ نسلوں کے لئے ہدایات بھی ہیں، یہ درمیانی کڑی ہے جو ہم کو گذشتہ اور آیندہ ادب سے روشناس کراتی ہے، ایک انقلابی کارنامہ ہے جو پرانی روش کی تخریب کے بعد ہمیں نئی تعمیر کی ہدایت کرتا ہے، وہ ایسا آئینہ ہے جس میں ہم ماضی ومستقبل کے ادب کا عکس دیکھ سکتے ہیں،

طرز تحریر ایسی سادہ اور دلکش ہے کہ اس میں ناول کا لطف آتا ہے، شعراء کی زندگی اور تصانیف پر ریمارک نہایت جامع اور مختصر، تنقیدیں نہایت مدلل اور چست اور اصلاحیں نہایت منصفانہ اور ادیبانہ ہیں، اگرچہ بعض مقامات پر ان کا عنوان طنزیہ ہے، غرض مجمع النفائس نہایت عالمانہ، ناقدانہ اور استادانہ تصنیف ہے، تحریر میں صفائی، سادگی اور بے تعصبی پائی جاتی ہے؛ مصنف کو اگرچہ عربی زبان پر پورا عبور تھا لیکن حتی الوسع عربی کے غریب اور نامانوس الفاظ سے اجتناب کیا ہے، یہ دیکھ کر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ خانِ آرزو نے اٹھارہویں صدی میں جبکہ مسجع ومرصع عبارتوں کا زور تھا، اس کو ترک کرکے سادہ وسلیس عبارت میں خیالات کا اظہار کیا اور اس کمال کے ساتھ کہ بڑے سے بڑے واقعہ کو چند الفاظ میں بیان کر دیتا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں معانی ومطالب کے دفتر سمائے ہوتے ہیں، مثلاً اہلی خراسانی کے متعلق لکھتا ہے:

"شاعر زبردست، خوب گو است، جمیع اہل سخن را بر و اعتقاد تمام واعتماد بالکلام، در عہد سلطان حسین بائقرا بود، عاشق مومن مرزا پسر بادشاہ مذکور۔ تا زمان شاہ اسمٰعیل زندہ بود، اہل ولایت ترشیز است کہ وطن مولانا ظہوریست، ۔ ۔ ۔"

میرزا ابو القاسم استرآبادی کے متعلق تحریر کرتا ہے:

"مشہور قلندر یکی، کمالات ایں بزرگوار آنچہ فقیر آرزو شنیدہ و در کتاب دیدہ از حیز بیان بیرون است"

میرزا جلال آسیر کے متعلق رقم طراز ہے،

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ در پاکی نسب وظہور حسب کالشمس فی وسط النہار است، طبعش اگرچہ مائل بہ شرب مدام افتادہ بود، پیوستہ اوقات را صرف اہل حال وصاحبانِ کمال نمودہ، شاگرد مولانا فصیح ہروی است ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اورا بسیار بہ بزرگی یاد کردہ، کلیاتش قریب ہشت ہزار بیت است، نصرآبادی گوید کہ رطب ویابس در کلامش ہست ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

خان آرزو نے تذکرہ میں کہیں مبالغہ سے کام نہیں لیا ہے، اسحاق خاں شوستری کے ذکر میں البتہ اس کی جھلک ہے اور یہ شاید اس کے مربی ہونے کا نتیجہ ہے، جس میں جو عیب ہوتا ہے اسے ظاہر کر دیتا ہے، ملا عطاء اللہ کشمیری اظہار علم میں نہایت بخل وخست سے کام لیتا تھا، اور اپنا کلام کسی کو نہیں دیتا تھا۔ خانِ آرزو کا بیان ہے:

"در اظہار علم آں قدر خست دارد کہ روبروے اعزۂ امیر زادہ کہ درس می گوید حرف نمی زند تا مبادا دیگرے مستفید شود، خدایش بیامرزاد وہمچنیں اشعار خود بہ کسے نمی دہد وگویا نتائج طبعش پس افگندۂ گربہ است کہ پیوستہ نہاں می دارد۔"

ملا آزلالی کا شمار اساتذہ میں ہے لیکن انکے یہاں بکثرت غلطیاں ہیں، خانِ آرزو اس کو یوں ظاہر کرتا ہے:

"ابیات مثنوی او نامربوط است، خیلے محل تعجب است آنچہ ایں عاجز دیدہ ومطالعہ نمودہ بقدر فہم خود دریافت کردہ اکثر ابیات فی حد ذاتہا مربوط نیست وترکیبات نامانوس در بسیارے از اشعار او چہ مثنوی وچہ قصیدہ بیش از بیش است بلکہ می توان گفت کہ معنی نہ دارد۔"

خانِ آرزو نے مجمع النفائس کے دیباچہ میں صرف چار تذکروں کا ذکر کیا، تذکرۂ طاہر

تذکرۂ تقی اوحدی، کلمات الشعرا اور تحفۂ سامی جن سے اس نے اپنے تذکرہ کی تالیف میں مدد لی تھی، لیکن کتاب میں جابجا ان کے علاوہ دوسرے تذکروں، تواریخ اور سفائن کا بھی حوالہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بھی اس نے استفادہ کیا ہے، مثلاً اکبر کے ذکر میں اکبر نامہ کا نام لیا ہے، بایسنغر کے ذکر میں واقعات بابری کا، عرفی، محمد رضائے شکیبی صفاہانی، باقی دیاوندی، میرزا اسد اور انیسی وغیرہ کے ذکر میں مآثر رحیمی کا، درویش روغن گر، طالعی، عطاء اللہ اور فخری ہروی کے ذکر میں مجالس النفائس میر علی شیر نوائی کا حوالہ ہے، فقیر، حزیں اور قزل باش خاں امید کے ذکر میں ریاض الشعراء کا نام لیا ہے، حکیم قطران بن منصور الاجل کے ذکر میں دولت شاہ اور عوفی اور مجدالدین نسوی کے ذکر میں لباب الالباب کا حوالہ دیا ہے، ابراہیم آذر، قاسمی اردستانی اور ملا غنی کے ذکر میں سفینہ صائب کا نام لیا ہے، لامعی کے ذکر میں لکھا ہے کہ "نظامی عروضی سمرقندی نے ان کو "دہستانی" لکھا ہے جس سے مراد چہار مقالہ ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ نظامی کی دوسری کوئی تصنیف مشہور نہیں ہے، ان کتابوں کے علاوہ جن کا نام یا حوالہ موجود ہے خان آرزو نے اور کتابوں کا بھی ضرور مطالعہ کیا ہوگا،

بعض نقائص ان خصوصیات کے باوجود بمقتضائے بشریت آرزو سے کچھ فروگذاشتیں بھی ہو گئی ہیں جن کا ذکر ضروری ہے، مثلاً رشید وطواط کے ذکر میں اس کی مشہور و معروف تصنیف حدائق السحر کا کوئی ذکر نہیں ہے، حالانکہ شرف الدین رومی کے ذکر میں ان کی کتاب حدائق الحقائق اور رشید وطواط کی حدائق السحر کا ذکر ہے، اسی طرح حزیں کے حالات میں ان کے متعلق نہ اپنی کوئی رائے ظاہر کی ہے اور نہ اس کی شاعری و مصنفات پر روشنی ڈالی ہے، اتنا لکھ کر نظر انداز کر دیا ہے، "می گویند کہ شاعر مذکور فاضل است و صاحب تصانیف لیکن ہیچ تصنیفے ازو در علم حکمت و کلام بنظر نیامدہ" حافظ شیرازی کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے، عراقی اور فردوسی

دونوں کو مایوس رکھا، فردوسی کے ضمن میں شاہ نامہ اور یوسف زلیخا کا ذکر ہے، لیکن اس کا انتخاب بیس اشعار سے زیادہ نہیں دیا ہے، حالانکہ انند رام مخلص کے اشعار کئی صفحوں میں نقل کئے ہیں، تعجب ہے کہ شیخ محسن فانی کے ذکر میں اس کے محاسن کلام پر تو روشنی ڈالی ہے "شیخ در فن شعر سرآمد است" اور اس کے دیوان کے اشعار کی صحیح تعداد تک بتائی ہے لیکن اس کی "دبستان" کا ذکر نہیں کیا، بلکہ دیباچہ میں دبستان کو ملا مؤید کی جانب منسوب کر دیا ہے،

"در دبستان ملا موبد مسطور است کہ فرہوش نام پادشاہے بود در عہد آبادیان . . . . "

اسی طرح اسدی طوسی صاحب گرشاسپ نامہ کو اس نے فردوسی کا استاد مانا ہے جو غلط ہے، ڈاکٹر ایتھے اور براؤن نے ثابت کیا ہے کہ دو اسدی گذرے ہیں، جن کا آپس میں باپ بیٹے کا تعلق تھا اور تخلص اسدی دونوں میں عام تھا، رشید یاسمی نے ثابت کیا ہے کہ ان باپ بیٹوں میں سے کوئی بھی فردوسی کا استاد نہیں تھا، اس لئے کہ فردوسی بڑے اسدی سے تقریباً بیس برس بڑا تھا اور چھوٹا اسدی فردوسی کے مرتے وقت بچہ تھا، اس لئے ان دونوں میں سے کسی کا فردوسی کا استاد ہونا بعید از قیاس ہے، آذر نے بھی یہی غلطی کی ہے، بہر حال تذکرہ کی دوسری خصوصیات کے مقابلہ میں ان خفیف فروگذاشتوں کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ خان آرزو کا ارادہ پہلے تذکرہ لکھنے کا تھا ہی نہیں، بلکہ اسے بیاض کی شکل میں رکھنا چاہتا تھا، جس کا تذکرہ دیباچہ اور خاتمہ میں موجود ہے، پھر تذکرہ کے ۳۵، ۷ اشعراء کے حالات میں سے اگر دو چار کے ذکر میں کوئی نقص رہ جائے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں،

تلخیص و تبصرہ

عربی زبان کے جدید رجحانات

(۲)

عربی زبان کے موجودہ فن افسانہ نگاری میں یورپ کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں، اس دور سے پہلے عربی لٹریچر میں قصہ نویسی کا کوئی مستقل فن نہ تھا، تاریخی ناولوں کا وجود ضرور تھا، مگر وہ محض مدارس کے طلبہ کی ایک خاص قسم کی تعلیم کے لئے لکھے گئے تھے، اس لئے آرٹ کے نقطۂ نظر سے ان کی حیثیت کچھ بلند نہیں ہے، جرجی زیدان (۱۸۶۱ء تا ۱۹۱۴ء) نے متعدد ناول لکھے، لیکن اس کا مقصد بھی ناول کے ذریعہ عوام کی تعلیم تھی، اس لئے ان ناولوں کا اسٹائل اور ان کی زبان علمی ہونے کے بجائے صحافتی ہے، افسانہ نگاری ادب اور صحافت کی درمیانی کڑی ہے، اس لئے صحیفہ نگاروں نے اپنے رسائل اور اخبارات کی توسیع اشاعت کے لئے افسانے اور مسلسل قصے لکھنے شروع کئے، لیکن عربی کے قدیم لٹریچر میں موجودہ مذاق کے مطابق ایسے افسانے نہ تھے جن کے اصول کی وہ تقلید کر سکتے، اس لئے وہ یوروپین زبانوں کے افسانوں کے ترجمے کی طرف متوجہ ہوئے، یہ مذاق پیدا ہونے کے بعد اہل علم نے بھی فرانسیسی، انگریزی، جرمن اور اطالوی زبانوں کے اچھے افسانوں کے ترجمے سے عربی زبان کو مالا مال کرنا شروع کر دیا، اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ عربی بولنے والی جماعت میں اپنے کلچر کو یوروپین کلچر کے معیار کے مطابق بلند اور اعلیٰ دیکھنے کا

خیال پیدا ہوا، پھر بھی عربی افسانوں کا معیار خاطر خواہ بلند نہ ہو سکا، کچھ عرصہ کے بعد ایک روشن خیال طبقہ ان افسانوں کو آرٹ کے نقطۂ نظر سے لکھنے کی طرف متوجہ ہوا، اور منفلوطی کی العبرات، زیات کی "آلام فرتر" اور "رفائل" اور المزینی کی ابن الطبیعہ کی اشاعت کے بعد یوروپین زبانوں سے افسانوں کے ترجمے کے لئے ایک معیار قائم ہو گیا، اسی کے ساتھ بعض اہل قلم مصری طرز کے طبعزاد افسانے لکھنے کی طرف بھی متوجہ ہوئے، الایام ڈاکٹر طٰہٰ حسین، ابراہیم الکاتب مزینی، الاطلال، تیمور اور ابنۃ المملوک ابی حدید طبعزاد ناول ہیں، لیکن اب بھی افسانوں کے معیار کو بلند کرنے کی ضرورت ہے، اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر ہیکل بے افسانہ لکھتے وقت فن کے اصول کو ضرور پیش نظر رکھتے ہیں، لیکن دوسرے افسانہ نگار ابھی اس سے بالکل ناواقف ہیں، ان کے افسانوں میں کیرکٹر اور پلاٹ کی تطبیق اصول کے لحاظ سے نہیں ہوتی ہے، اور نہ ابھی وہ افسانوں میں مصری ہیئت اجتماعی کے مختلف طرز زندگی اور خیالات کو پیش کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں، لیکن ان خامیوں کے باوجود قصہ نویسی سے ایک مفید نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب عربی زبان میں ہر قسم کے خیالات ظاہر کئے جا سکتے ہیں، جس سے عربی نثر کے اسٹائل میں ترقی ہوئی، چنانچہ موجودہ عربی اسٹائل کا انحصار ابن مقفع، جاحظ اور ابن العمید کی تقلید پر نہیں رہا، بلکہ اب ہر اہل قلم کے اسٹائل میں اس کی جداگانہ شخصیت نظر آتی ہے، ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو زبان پر غیر معمولی قدرت ہے، وہ ایک خیال کو مختلف پیرایوں میں دلنشین طریقہ سے ادا کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ بالکل صاف اور واضح ہو جاتا ہے، وہ یوروپین زبانوں کے فقروں اور خیالات کو ایسی سادہ اور صاف عربی میں پیش کرتے ہیں کہ اب وہ عربی زبان کے ضروری اجزا بن گئے ہیں، پروفیسر احمد امین کے طرز انشاء میں صحیح، مناسب اور متوازن جملوں کے ساتھ متانت، منطق اور گہرائی ہوتی ہے، مزینی کی تحریروں میں ظرافت کی چاشنی ہوتی ہے، ڈاکٹر ہیکل اور

توفیق حکیم کا طرز فلسفیانہ ہے ادب وانشار کے ان مختلف اسٹائل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اب عربی زبان کامیابی سے بلندی کے مدارج طے کر رہی ہے،

ڈاکٹر طہٰ حسین کا نظریہ ہے کہ عربی زبان کا مطالعہ آرٹ کے نقطۂ نظر اور سائنٹفک اصولوں کے مطابق کرنا چاہئے، اس نظریہ کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے، چنانچہ مصر کے اہل علم نے عربی کی تصانیف کا موازنہ اور تحلیل کیساتھ انکا مطالعہ شروع کر دیا ہے، اور اب اس کی کوشش ہے کہ عربوں کے علمی کارناموں کا تجزیہ مغرب کے ذہنی رجحانات کی روشنی میں اور عرب شعراء کا موازنہ فرانسیسی اور انگریزی شاعروں سے کیا جائے، یہ کوشش ذہنی نشو ونما کو بلند اور وسیع کرنے میں بہت معاون ہوگی،

ڈاکٹر طہٰ حسین نے اپنی تصنیف "حدیث الشعر والنثر" میں مختلف عرب شعراء کا ایک دوسرے سے موازنہ کرکے دکھایا ہے، کہ عربی زبان کا پایہ دنیا کے ادب عالی میں کتنا بلند ہے، ان کی دوسری تصنیف "الادب الجاہلی" میں اسلام سے پہلے کے ذہنی رجحانات کا سائنٹفک تجزیہ ہے، پروفیسر احمد امین نے فجر الاسلام اور ضحی الاسلام میں اسلام کے ابتدائی زمانہ سے لیکر عہد عباسیہ تک عربوں کی علمی کاوشوں پر تبصرہ کیا ہے، جدید عربی میں اس قسم کی اور بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن پروفیسر احمد امین کی مذکورۂ بالا تصنیف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جو حصے ہیں وہ بہت اہم اور لائقِ توجہ ہیں، اب تک عربی زبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں صرف واقعات سنین کے ساتھ لکھدیئے گئے ہیں، ایسی کوئی کتاب نہ تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مختلف زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالی گئی ہو، لیکن اب عربی نثر کے اس جدید دور میں انبیا کی تعلیمات اور مفکروں کے افکار کا گہرا نفسیاتی مطالعہ بھی کیا جاتا ہے، ڈاکٹر ہیکل نے "حیات محمدؐ" میں نہ صرف سیرت لکھی ہے، بلکہ بہت سے فلسفیانہ مباحث بھی چھیڑے ہیں، توفیق حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تصویر اس طرح دکھائی

ہے، جیسے ایک ڈرامہ نگار اپنے ہیرو کو پیش کرتا ہے، عبد الرحمٰن بے نے بطل الابطال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس عہد کے حالات کی روشنی میں دکھائی ہے،

ان کوششوں کے ساتھ خالص ادبی تخیل کتابیں بھی لکھی جا رہی ہیں، چنانچہ عباس محمود العقاد کی رجعۃ ابی العلاء، اور ابن الرومی وحیاتہ من شعرہ اور محمود شاکر کی المتنبی اسی قسم کی مثالیں ہیں، محمود شاکر نے تو متنبی کے حالات میں بہت سی نئی تحقیقات کی ہیں، مثلاً اس واقعہ کو غلط ثابت کیا ہے کہ متنبی ایک سقہ کا لڑکا تھا، ان کی تحقیق میں متنبی علوی سادات میں سے تھا، اور اس کو سیف الدولہ کی بہن سے عشق ہو گیا تھا،

اس قسم کی تصانیف سے نقادوں اور مبصروں کی بھی ایک جماعت پیدا ہو گئی ہے جس نے شعراء، اُن کی شاعری اور دوسری جدید تالیفات پر تنقید و تبصرہ کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے، ان مساعی سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصر کی پوری قوم علمی تجدید کے لئے سرگرم ہے، حکومت کی جانب سے اور بعض نجی کے ایسے ادارے قائم ہیں جن سے اہلِ علم کی ہمت افزائی کے ساتھ عوام کی علمی ضروریات بھی پوری ہوتی رہتی ہیں، یونیورسٹی کے اساتذہ اور فضلا نے ایک مجلس قائم کی ہے جہاں سے عوام کے ذہنی نشو ونما کے لئے سائنس، فلسفہ اور تاریخ پر مستقل کتابیں اور ترجمے برابر شائع ہوتے رہتے ہیں، یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ کی بھی ایک مجلس ہے جو عربی لٹریچر کی ترقی اور تجدید کے لئے کوشاں ہے، مصر کی وزارتِ تعلیم اور مصری بینک کی فلمی کمپنی کی طرف سے اہل علم و فضل کی ہمت افزائی کے لئے بڑے بڑے انعامات تقسیم ہوتے رہتے ہیں، حکومت نے اہل علم کے لئے ایک لسانی ادارہ (رائل فیلا لوجیکل اکیڈمی) قائم کیا ہے، اس ادارہ کے مقاصد حسب ذیل ہیں،

(۱) عربی زبان کی اصلی خصوصیات کو قائم رکھتے ہوئے اس کو اس لائق بنایا جائے کہ

ضرورت زمانہ کے مطابق اس میں آرٹ اور سائنس وغیرہ ہر قسم کے مضامین لکھے جاسکیں،

(۲) عربی میں غیر ملکی زبانوں یا عام بول چال کے جو محاورے نہ ہوں ان کے مترادفات عربی زبان کے اصول و طرز پر بنائے جائیں،

(۳) سائنس، آرٹ اور ادب کی اصطلاحات کا ایک فرہنگ اور ایک ایسا لغت مرتب کیا جائے جس میں الفاظ کی پوری تاریخ اور اس کے مختلف معانی ہوں، اس فرہنگ اور لغت کی تالیف کے علاوہ ایسے الفاظ کی جو مصر اور عرب کے جاہل طبقوں کی مقامی بولیوں میں رائج ہیں تحقیقات کی جائے،

اس ادارہ میں گیارہ کمیٹیاں ہیں، جن کے ذریعہ صرف و نحو، مقامی بولیوں اور مختلف علوم و فنون کے وضع اصطلاحات کے اصول و قواعد مرتب ہوتے ہیں، اور پھر مختلف افراد کی تحقیقات اور مجلس اعلیٰ کی رضامندی کے بعد ان کو ادارہ کے رسالہ میں شائع کردیا جاتا ہے،

اس رسالہ کی پہلی جلد ۳۴ء میں شائع ہوئی تھی، اس میں ایسے الفاظ کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی جو مردہ ہو چکے تھے اور مصری سوسائٹی کے موجودہ مذاق کے مطابق نہ تھے، اس لئے اہل علم اور عوام دونوں کی جانب سے اس کی مخالفت ہوئی، سائنس اور آرٹ کی اصطلاحات پر تو انھوں نے اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی، لیکن ایسے الفاظ پر جن کا تعلق سوسائٹی اور عوام سے تھا سخت اعتراضات کئے گئے، مصر کے اجتماعی حلقوں نے ایسے الفاظ و محاورات کو استعمال کرنے سے قطعی انکار کردیا، جو جدید اور رائج الوقت الفاظ و محاورات کی جگہ ادارہ نے وضع کئے تھے اور عذر یہ پیش کیا گیا کہ جدید الفاظ و محاورات ادارہ کے قائم ہونے سے بہت پہلے عام فہم اور مروج ہو چکے ہیں،

بول چال کے محاوروں اور علمی زبان میں یہ اختلاف کوئی نیا نہیں بلکہ اس وقت سے

چلا آتا ہے، جب سے عربی زبان کی اصلاح کی تحریک شروع ہوئی ہے، عربوں کی قوت اور ان کے تمدن کے زوال کے بعد سے دیہاتوں کی مقامی بولیوں اور شہروں کے تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان میں فرق پیدا ہوگیا ہے، شہری تعلیم یافتہ صرف و نحو کی پابندی کے ساتھ زبان بولنے کے عادی تھے اور دیہاتی بولیاں ان پابندیوں سے آزاد تھیں، عربوں کے زوال کے بعد علمی زبان بھی دیہاتی بولیوں سے متاثر ہونے لگی، لیکن جب عربوں میں قومیت کا احساس پیدا ہوا تو انھوں نے محسوس کیا کہ مقامی بولیوں کے اختلاف سے عرب قوم کی متحدہ قومیت خطرہ میں پڑجائیگی، اور ان بولیوں کے بڑھتے ہوئے اثرات سے وہ اپنے آبا و اجداد کی تاریخی اور علمی وراثت سے دور ہوتے جائیں گے، اس کے علاوہ مغربی علوم و فنون کی نامانوس اصطلاحات سے بھی عربی زبان پر بار پڑ رہا تھا، ان اسباب نے اہل علم کو عربی زبان کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا اور سب سے پہلے دمشق کی عربک اکیڈمی نے اس کی جانب قدم بڑھایا، اس ادارہ کا ہر ہفتہ جلسہ منعقد ہوتا تھا، جس میں الفاظ کا انتخاب کیا جاتا تھا، اور عام بول چال کی نحوی غلطیوں کو درست کیا جاتا تھا، اس ادارہ کے اثرات محدود تھے، اس لئے مصریوں نے ۱۹۳۲ء میں اسی نوعیت کا ایک بڑا ادارہ اپنے یہاں قائم کیا، اس نے ۳۵ء میں اپنی علمی کارگذاری کی ایک روداد شائع کی، اس کی اشاعت پر دو جماعتیں پیدا ہوگئیں، ایک جماعت کا خیال ہے کہ ادارہ کا یہ کام نہ ہونا چاہئے کہ وہ پرانے رائج شدہ الفاظ زبان سے نکال کر اس کی جگہ مردہ اور بھولے ہوئے الفاظ دوبارہ رائج اور نئے الفاظ وضع کرکے عوام کو ان کے استعمال پر مجبور کرے، بلکہ اس کا کام یہ ہونا چاہئے کہ عربی زبان میں جن غیر ملکی الفاظ اور اصطلاحات کے مترادفات نہیں ہیں، ان کو وضع کرے، لیکن اس ادارہ کے حامیوں کا خیال ہے کہ اگر غیر ملکی الفاظ کے استعمال کی کثرت کو باقی رکھا گیا اور اس کو روکا نہیں گیا تو عربی زبان نہ صرف اجنبی الفاظ سے

پر ہو جائے گی، بلکہ اس کی اصلی خصوصیات بھی ضائع ہو جائیں گی، اس لئے غیر ملکی الفاظ کے استعمال میں صرف ونحو کے قواعد کی پابندی ضروری ہے، دونوں جماعتوں کے جھگڑے جاری ہیں لیکن ادارہ صرف ونحو کے قواعد کی اشاعت میں مشغول ہے، اور علمی الفاظ کے معانی و مطالب کی توسیع میں بھی کوشاں ہے، بشرطیکہ اس توسیع سے الفاظ کے اصلی تخیل میں فرق نہ پیدا ہو، غیر ملکی الفاظ کو معرب کرنے کی بھی کوشش جاری ہے،

زبان کی اصلاح کے ساتھ عربی زبان کے نحوی اور لسانی اصولوں میں ترمیم اور تغیر کرنے کی جانب بھی توجہ ہے، اور یہ عام طور سے محسوس کیا جانے لگا ہے کہ جو صرف ونحو مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، وہ نقائص سے پر ہے، جامعۂ ازہر کا ایک طالب علم دس سال نحو پڑھنے کے بعد بھی صحیح عبارت پڑھنے اور لکھنے پر قادر نہیں ہوتا، اس کے علاوہ نحو کا تعلق مختلف ہجوں، مختلف قسم کی مقامی بولیوں اور کلام پاک کی عبارتوں سے ہوتا ہے جس کا تعلق عوام سے کم ہے، ان کا تعلق صرف اپنی روزمرہ کی بولی سے ہوتا ہے، چنانچہ ایک جماعت کہتی ہے کہ صرف ونحو کے قواعد میں ایسی ترمیم کیوں نہیں کی جاتی جس سے روزمرہ کی گفتگو میں معیار اور توازن قائم ہو جائے، ازہر کی تعلیمی روایات کے لحاظ سے صرف ونحو کے قواعد میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اب اس کی ضرورت ہے کہ طلبہ اس روایت سے آزاد ہو کر صرف ونحو کے قواعد میں وسعت اور ہمہ گیری پیدا کرنے کی کوشش کریں،

ان تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی زبان کے جدید رجحانات کے اسباب حسب ذیل ہیں:

(۱) تعلیم کی اشاعت میں تیز رفتاری (۲) یوروپین زبانوں کی کتابوں کے ترجمے (۳) صحافت نگاری میں ترقی شیخ محمد عبدہٗ کی تحریک نے بھی علمی تجدید کے لئے ایک خوشگوار فضا پیدا کر دی ہے، اور اب عربی تحریروں کا معیار کافی بلند ہو گیا ہے، قدیم اور جدید کا جھگڑا ختم ہونے کے بعد عربی

لٹریچر اور اس کی تاریخ کے ناقدانہ اور مبصرانہ مطالعہ میں بھی بڑی ترقی ہو رہی ہے، نثر کے مقابلہ میں شاعری کو ابھی فروغ حاصل نہیں ہو سکا ہے، تاہم ان دونوں میں نئے طرز اور مضامین اختیار کئے جا رہے ہیں، لیکن نحوی اور لسانی اصلاح کے سلسلہ میں مصر کے علمی اور معاشرتی حلقوں کے درمیان ابھی تک نزاع قائم ہے،

کسی زبان کی ترقی اور زوال کے اثرات اسکی بولنے والی قوموں کے تمدن اور کلچر پر نمایاں طور سے نظر آتے ہیں، جو قوم تمدن کے منازل طے کر رہی ہوتی ہے، اس کی زبان بھی اسی نوعیت سے متاثر ہوتی رہتی ہے اور عربوں کے تمدن اور مصریوں کے کلچر میں ترقی ہو رہی ہے، اس لئے یہ کہنا کہ عربی لٹریچر تکمیلی شاہراہ پر گامزن ہے، محض امیدوں کی دنیا بسانا نہیں ہے، "ص ع"

تابعینؒ

علم وعمل اور مذہب و اخلاق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ہیں، صحابۂ کرامؓ کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانوں کیلئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہؓ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمرؒ بن عبد العزیز، حضرت حسن بصریؒ، حضرت اویسؒ قرنی، حضرت امام زین العابدینؒ، حضرت امام باقرؒ، حضرت امام جعفر صادقؒ، حضرت محمدؒ بن حنفیہ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت سعیدؒ بن جبیرؒ، حضرت محمدؒ بن سیرینؒ، حضرت ابنؒ شہاب زہری، امام ربیعہ رائیؒ، امام مکحولؒ شامی، قاضی شریح وغیرہ چھیانوے اکابر تابعینؒ کے سوانح، ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور علمی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے،

مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ضخامت ۵۶۰ صفحے، قیمت للعہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

اسلامی ممالک کی علمی کوششیں

آجکل عربی زبان کے نوجوان اہلِ قلم کی توجہ کلام پاک کی جانب بہت زیادہ مبذول ہو رہی ہے، دو سال ہوئے ڈاکٹر راحت اللہ خاں نے لیزگ سے ایک مقالہ "قرآن مجید کے اثرات عربی شاعری پر" کے عنوان سے شائع کیا تھا، محمد سلیم الجندی دمشقی نے ایک طویل مضمون کلام پاک کے اسٹائل پر لکھا ہے جس کی اشاعت دمشق کے ایک ماہانہ رسالہ میں مسلسل ہو رہی ہے، مجلس تحریک قرآن، حیدرآباد دکن سے بچوں کی تفسیر شائع ہوتی ہے، جس کی مقبولیت نہ صرف ہندوستان میں ہے بلکہ مشرقی اور جنوبی افریقہ اور دنیا کے مختلف گوشوں میں اس کی مانگ ہو رہی ہے،

کچھ دنوں پہلے پروفیسر کراؤس (فواد یونیورسٹی مصر) نے "منتخب رسائل جابر ابن حیان" شائع کی تھی، پروفیسر موصوف نے اس کی پہلی جلد پر ایک مقدمہ لکھا ہے جو چھپ کر قریب قریب تیار ہے، پروفیسر مذکور نے "رسائلِ جاحظ" کو بھی مرتب کیا ہے جو زیر طبع ہے،

قاہرہ میں "الوثائق السیاسیہ" کے چار سو صفحے چھپ چکے ہیں، اس میں عہد نبوی صلعم کی دو سو اٹھاسی اور خلفاے راشدین کے زمانہ کی تقریباً ایکسو سیاسی دستاویزیں ہیں، جن سے اس دور کے سیاسی حالات کے متعلق مختلف قسم کی معلومات حاصل ہوتے ہیں، اس کتاب میں بدر، احد اور

یرموک کی لڑائیوں کے نقشے بھی دیئے ہیں، اس میں بعض ایسے خطوط کے عکس بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں، ان تمام فتوحات کے بھی نقشے ہیں جو عہد نبوی صلعم اور خلفاے راشدین کے زمانہ میں ہوئیں، ان نقشوں سے نہ صرف فتوحات کی تفصیلات روشن ہو جاتی ہیں، بلکہ مقامات کی تعیین بھی پورے طریقہ سے ہو جاتی ہے، یہ کتاب اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر نصف صدی ہجری تک کی تاریخ کے لئے بہت ہی اہم اور مفید ہے،

استنبول سے فرید الدین عطار کا "الٰہی نامہ" شائع ہوا ہے، مطبع دائرۃ المعارف (حیدرآباد) میں امام بخاری کی کتاب "الکنیٰ" اور تاریخ کبیر زیر طبع ہیں، مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن کی طرف سے حنفی فقہ کے بعض نئے مخطوطات کی تصحیح و ترتیب جاری ہے، اس مجلس کی جانب سے امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمد شیبانیؒ کی چھ مختلف کتابیں شائع ہو چکی ہیں،

بعض سمندروں، دریاؤں اور قدیم شہروں کا طول و عرض

بحر منجمد کا رقبہ سات کروڑ اسی لاکھ مربع میل ہے، اطلانتک دو کروڑ پچاس لاکھ، بحر ہند ایک کروڑ چالیس لاکھ، بحر جنوبی دو کروڑ پچاس لاکھ، بحر شمالی پچاس لاکھ، بحر روم دس لاکھ، بحر اسود ایک لاکھ ستر ہزار، بحیرۂ بالٹک ایک لاکھ پینسٹھ ہزار مربع میل ہیں، دریاے آمیزن کا طول چار ہزار سات سو میل ہے، مسوری اور مسی سیپی چار ہزار چار سو میل، یانگ ٹی زی کیانگ دو ہزار نو سو اسّی، نیل تین ہزار، دولگا دو ہزار پینتیس، فرات ایک ہزار آٹھ سو میل، ڈینیوب ایک ہزار سات سو ساٹھ، دریاے سندھ ایک ہزار چھ سو پچاس، گنگا ایک ہزار پانچ سو پچاس میل، اور ریکو ایک ہزار چار سو اسی میل طویل ہیں،

پرانے شہروں میں نینوا چودہ میل لمبا اور آٹھ میل چوڑا اور چھیالیس میل کے دور میں تھا،

اس کی فصیل ایک سو فیٹ بلند تھی، اس کی چوڑائی اتنی تھی کہ اس پر تین رتھ ایک ساتھ چل سکتے تھے، بابل فصیل کے اندر پچاس میل تک پھیلا ہوا تھا، اس کی فصیل کے آثار پچھتر فیٹ چوڑے تھے اور بلندی سو فٹ تھی، اس میں سو پھاٹک تھے، کارتھج انتیس میل کے دور میں تھا، ایتھینس کا طول پچیس میل تھا، اس میں تین لاکھ پچاس ہزار شہری اور چار لاکھ غلام آباد تھے، قدیم روم کی دیوار کا قطر تیرہ میل تھا، اہرام مصر کی انتہائی اونچائی چار سو بیس فیٹ ہے، اسکا ہر ضلع نو سو ترپن فیٹ اور رقبہ گیارہ ایکڑ ہے، اس کے پتھر ساٹھ فیٹ لمبے ہیں، اور اس کی دو سو نو تہیں ہیں، اس کی تعمیر میں تین لاکھ بیس ہزار آدمیوں نے کام کیا، مصر کی مشہور بھول بھلیاں میں تین سو حجرے اور بارہ بڑے کمرے ہیں، مصر کے شہر طیبی کے کھنڈرات ستائیس میل تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کھنڈرات میں سو پھاٹک ہیں، ڈیانا کا مندر سو برس میں تعمیر ہوا، ڈلفس کے مندر (یونان) میں اتنی دولت تھی کہ ایک کرور پونڈ ایک وقت میں لوٹا گیا تھا اور نیرو یہاں سے دو سو بت لے گیا تھا،

امریکہ میں غذاؤں کی اصلاح و ترتیب

امریکہ کے عام باشندوں کی غذا کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے گذشتہ جون میں ممالک متحدہ امریکہ کے نو سو ڈاکٹروں اور غذاؤں کے ماہرین کا اجتماع واشنگٹن میں ہوا، جنھوں نے روزمرہ غذاؤں کی ایک فہرست شائع کی ہے جس کی پابندی کرنے سے ان کا خیال ہے کہ امریکہ کے باشندوں کی صحت اور تندرستی قائم رہیگی، روزانہ ایک پائنٹ دودھ (ایک پائنٹ ایک گیلن کے آٹھویں حصہ کے برابر ہوتا ہے) گوشت کی مقدار حسب خواہش ایک انڈا یا اسکی جگہ پر بجری سیم (؟)، دو قسم کی ترکاریاں جنہیں سے ایک کا رنگ سبز ہو یا زرد، دو قسم کے پھل جنہیں سے ایک میں وٹامن سی ہونا چاہئے، روٹی کا آٹا بالکل خالص ہونا چاہئے تھوڑا مکھن بھی موجود وٹامن لے کیلئے ضروری ہے، انکے علاوہ ایسی غذائیں بھی ہوں جن سے اشتہا رفع ہو، ان غذاؤں کے اخراجات موجودہ اخراجات سے پانچ گنے زیادہ ہو جائیں گے،

"ص ع"

ادبیات

جبریل و ابلیس

از

پروفیسر اکبر منیر، ایم، اے،

یہ نظم انجمن حمایت اسلام لاہور کے باونویں سالانہ جلسہ اپریل سنہ۴۱ء میں پڑھی گئی

انتساب: (نوجوان مسلمان کے نام)

فطرت کے انتقام کی خاموش بجلیان
بھرتی ہین کو ند کو ند کے پیمانۂ عذاب

آدم ہوا ہے فتنۂ ابلیس کا شکار،
ہے شش جہت میں نار جہنم کا التہاب

عالم تمام عقل فسون ساز کا اسیر
اس مار پیچ پیچ سے کھاتا ہے پیچ و تاب

اے مسلم جوان! تجھے اسلام کی قسم
کب تک رہیگا بادۂ غفلت سے مست خواب؟!

تاریکیون مین چھپ گیا رخسار زندگی
حسن عمل کے نور سے کر اسکو بے حجاب

حسن عمل ہے آئینہ، دین مصطفےٰ
حسن عمل ہے شیشۂ اسلام کی شراب

مدت سے تیرے حسن عمل کی ہے منتظر
گردون پہ چشم انجم و خورشید و ماہتاب

تہذیب کا جہان مین تو آخری امین
جبریلؑ کے پیام کی تو آخری کتاب

اسلام کیا ہے؟ عشق کا پیغام آتشیں
اسلام کیا ہے؟ دعوتِ قرآن کا انقلاب

دے شامِ غم کو صبحِ مسرت کی روشنی
اے خنجرِ ہلال ہو شمشیرِ آفتاب

خمخانۂ حجاز سے لا ساغرِ حیات
دے آدمی کو فتنۂ ابلیس سے نجات

جبریل و ابلیس

(شاعر)

شاعرِ شیرین نوا، آہوئے گردون خرام
فرش پہ اس کا قدم، عرش پہ اسکا مقام

زورِ سخن پروری، پرتوِ پیغمبری
عاشقِ حق کا سرود، عاشقِ حق کا پیام

عشق کی گرمی سے شعر برق فشان برق خیز
عشق کی مستی سے شعر، جامِ مئے لعل فام

عشق کے ساغر سے جب چشمِ تخیل ہو مست
خنجرِ تقدیر کو، دیکھتی ہے بے نیام

عشق سے ہے تیز پا، عشق سے ہی تابناک
زندگیِ بے مقام، زندگیٔ خوش خرام

عشق چراغِ حیات، عشق شرارِ حیات
عشق کے گلشن سے ہی، حسنِ بہارِ حیات

دامنِ کہسار تھا، غیرتِ باغِ خلیلؑ
بن رہی تھی آبجو، آئینۂ سلسبیل

نور سے آئینہ پوش، بزمِ جہاں تھی خموش
دے چکی تھی چاند رات دن کو پیامِ رحیل

وادیِ گلزار کو، لگ رہے تھے چار چاند
آتشِ سیال تھے، سبزہ و کشتِ نخیل

دور فضا مین کہین، شور ہوا یوں بلند
سیل مین ہون جس طرح، راویِ و جیحون و نیل

خندۂ ابلیس سے گونج اٹھی کائنات
جنبشِ بیہم مین تھے، بال و پرِ جبرئیل

دل تھا ہمہ آرزو، دل تھا ہمہ جستجو
راز کی تھی گفتگو، مین نے سنی مو بمو

ابلیس

خطۂ مغرب سے پھر اٹھا ہے طوفانِ جنگ
خون سے خاکِ فرنگ ہوتی ہے پھر لالہ رنگ

کوہ و بیابان مین جنگ، شہر و خیابان مین جنگ
برف کے تودون مین جنگ بحر کی موجون مین جنگ

اٹھے ہین یورپ کے مرد، لائے ہین بہرِ نبرد
نیزہ و تیر و تبر، خنجر و توپ و تفنگ

خون کا سیلاب ہے، آدمِ خاکی کا دل
تیرتا پھرتا ہون مین، خون مین مثلِ نہنگ

میرا نفس شعلہ ریز، میرا نفس شعلہ خیز
مجھ سے دلون کی ترنگ مجھ سے دلون مین امنگ

لاکھون ہین فتنے مرے جنمین سے ہین ایک دو
فتنۂ تہذیب و رنگ، فتنۂ ناموس و ننگ

مشرق و مغرب زمین سب مرے زیرِ نگین
میری ہین روم و حبش، میری ہین چین و فرنگ

مکر سکھاتا ہون مین فتنے اٹھاتا ہون مین
برق گراتا ہون مین آگ لگاتا ہون مین

وادی و دشت و جبل بن رہی ہین لالہ زار
آدمِ خاکی کا خون، میرے چمن کی بہار

پھیل گئیں شش جہت خون کی رنگینیان
خوں سے زمین لعل رنگ، خوں سے فلک لعل بار

آدمِ خاکی تھا خام، بے خرد و بے مرام
مین نے کیا ہوشیار، مین نے کیا پختہ کار

دم سے میرے ہین بپا پھیلتے ہین جا بجا
محفلِ رقص و سرود، مجمعِ جام و قمار

سایۂ تہذیب مین، پل رہے ہین علم و فن
کر رہا ہے آدمی، میرا ہنر آشکار

آدمی زادون کا قتل آدمی زادون کے ہاتھ
آدم و حوا کی نسل، ہو گئی میرا شکار

تابشِ خنجر ہون مین، غرشِ تندر ہون مین
ابر میرا مرگ بار، تیغ مری زہر دار

دشمنِ انساں ہوں میں فتنہ، دوراں ہوں میں
آگ کا دریا ہوں میں، خون کا طوفان ہوں میں

(جبریلؑ)

اے ہمہ فتنہ نگاہ! اے ہمہ برقِ گناہ! / محفلِ ارض و سما، کفر پہ تیرے گواہ
قلب ترا شعلہ زار، چشم تری مرگ بار / تیر ترا بے خطا، ضرب تری بے پناہ
حال مجھے کچھ بتا، قافلۂ عشق کا / جن کی تھی بانگِ درا اشہد ان لا الٰہ
امتِ خیر البشر، فتنہ و شر کی سپر / خنجرِ حق کی شہید، دینِ خدا کی سپاہ
شوق تھا جن کا نماز، ذوق تھا جنگ و جہاد / تیغ تھی جن کی زبان، تیر تھی جن کی نگاہ
حاملِ تیغ و کتاب، محرمِ موت و حیات / چومتے جن کے قدم، مشتری و مہر و ماہ
جن کا تھا کیف و سرور، اللہ اکبر کا نور / بادشہی میں فقیر، فقر میں شاہوں کے شاہ

قافلۂ عشق مست، قافلۂ حق پرست
دوست کی الفت سے مست، دوست کی الفت سے ہست

(ابلیس)

میرے نفس سے ہے گرم خونِ دلِ کائنات / کرتا ہے جبریل تو، اگلے زمانے کی بات
ہو گئے عاشق ترے راہیِ ملکِ عدم / دیر سے ماتم میں ہیں، راوی و نیل و فرات
تو نے سکھایا جنھیں اشہد ان لا الٰہ / میں نے بنایا انھیں بندۂ لات و منات
میرے فسوں سے وہ آج مرگ ہم آغوش ہیں / مرگ ہے اُن کی حیات، مرگ ہے ان کی ممات

ان کی جبیں سے عیاں، غیر کے در کا نشان / ان کے دلوں میں نہاں بتکدۂ سومنات

دور ہے ابلیس کا مردِ مسلماں کہاں!
حاملِ قرآں کہاں عاشقِ یزداں کہاں!!

ہو چکا ہنگامۂ عشق کا جوش و خروش / "اُمتِ مرحوم" کی انجمنیں ہیں خموش
جذبۂ توحید کو میں نے کیا پاش پاش / ضرب مری بے خراش ضرب مری باخروش
کھل گئے افرنگ میں میرے نئے میکدے / اُن سے ہے آب ہا و ہوا، ان سے ہے آب نا و نوش
ساقیِ افرنگ کی، نرگسِ افسوں طراز / چھینتی ہے دین و دل، لوٹتی ہے عقل و ہوش
بادۂ افرنگ سے، مست ہوئے شیخ و شاب / شاب ہیں ساغر بکف، شیخ ہیں مینا بدوش

خنجرِ ابلیس آج، فاتحِ ایام ہے،
جاتا ہوں جبریل اب موسمِ آرام ہے'

ابلیس: تنہا۔ فضائے نیلگوں میں ہنگامِ پرواز)

ملتِ اسلام کی، ختم ہوئی ہاؤ ہو / ٹوٹ گئے عشق کے، شیشہ و جام و سبو
پھر بھی ہے آٹھوں پہر، دینِ پیمبر کا ڈر / آدمِ خاکی کے چاک، ہوتے ہیں جس سے رفو
جذبۂ حق سے جری، نسل و وطن سے بری / پھاندتا ہے شش جہت، روندتا ہے چار سو
وحدتِ ادیاں کا وعظ، کرتا ہے یہ شہر شہر / وحدتِ انساں کا وعظ، کرتا ہے یہ کو بکو!
دیتی ہے اس کی کتاب، درس مساوات کا / درسِ مساوات ہے، قتل گہِ آبرو
ملک خدا ہے زمیں! آدمی اس کا امیں! / فتنۂ صد انقلاب! مرقدِ صد آرزو!
حرمتِ سود و ربا، پردۂ شرم و حیا / محفلِ ابلیس سے، کرتے ہیں بیگانہ خو
اس کا نظامِ جہاد، قاتلِ شر و فساد / لاتا ہے ذوقِ حیات، دیتا ہے جوشِ نمو

مذہب صوم و صلوٰۃ، مذہب حج و زکوٰۃ ۔ فتنۂ بے آب و تاب! فتنۂ بے رنگ و بو!
اس کی شریعت تمام، فتنۂ پیکار خیز ۔ اس کی طریقت تمام، فتنۂ پیکار جو!!
فتنۂ چالاک ہے، ولولۂ لا الٰہ ۔ فتنۂ بیباک ہے، جذبۂ اللہ ہو!!

ڈر ہے یہ فتنہ کہیں، کل کو قیامت نہ ہو
مجمعِ جمہور میں، اس کی امامت نہ ہو

(جبریل - تنہا - بارگاہِ خداوندی میں)

تیرا ہے فرشِ زمیں، تیرا ہی عرشِ بریں ۔ تیری کتاب مبیں، تیرا رسولؐ امیں
ذات تری بے نیاز، ذات تری کارساز ۔ تو ہے جہاں کی پناہ، تو ہی جہاں آفریں
آدمِ سینہ فگار، پھر ہوا اس کا شکار ۔ اٹھا ہے پھر وہ لعیں، کھینچ کے شمشیر کیں
پھر ترے خاکی نژاد، پھر ترے قدسی نہاد ۔ تیرے جہاں کے امیں، تیری زمیں کے مکیں
طائرِ بسمل صفت، پنجۂ ابلیس میں ۔ ہوتے ہیں زار و نزار، کھوتے ہیں جانِ حزیں
برگِ خزاں کی طرح، گر رہے ہیں ماہرو ۔ قطرۂ باراں صفت مٹ رہے ہیں نہ جبیں
تیرتے ہیں خون میں، لوٹتے ہیں خاک میں ۔ سینکڑوں حورانِ عین، لاکھوں غزالانِ چیں
غم سے دلِ آفتاب، جل کے ہوا ہے کباب ۔ دردِ کے طوفان میں، غرق ہے ماہِ مبیں
چرخ پہ قدسی ترے، ہو رہے ہیں شرمسار ۔ خلد میں حوریں تری، ہو رہی ہیں شرمگیں
مشعلِ اسلام سے، عشق کے پیغام سے ۔ تو نے جہاں کو دیا، نورِ امید و یقین
کیا ہوا میرا پیام؟ کیا ہوا قدسی نظام؟ ۔ جس سے تھی بزمِ زمیں، غیرتِ خلدِ بریں

دعوتِ قرآنِ پاک، لائی تھی جو انقلاب

خوش تھے اُسے دیکھ کر، چرخ و مہ و آفتاب

(ندائے غیب)

ہو گیا سینوں میں سرد، عشق کا جوشِ جنوں ۔ عقل کی گردن پہ ہے، آدمِ ناداں کا خوں
خنجرِ تہذیب سے، کٹ رہی ہیں گردنیں ۔ خنجرِ تہذیب سے، ہو رہے ہیں سرنگوں
تیشۂ تہذیب نے، لاکھوں تراشے صنم ۔ پھر بھی نہ حاصل ہوئی، دولتِ امن و سکوں
مسلم کافر ضمیر، لاکھوں بتوں کا اسیر ۔ بن گیا شیدائے دیں، طالبِ دنیائے دوں
عشقِ خداوند پاک، مہر صفت تابناک ۔ وادیٔ ظلمات میں آج بھی ہے رہنموں

اہلِ جہاں کی نجات، عشق کا پیغام ہے
عشق کا پیغامبر، شاہدِ اسلام ہے

ہیں ابھی لاکھوں جہاں پردۂ تقدیر میں ۔ عقل کی زنجیر میں، عشق کی شمشیر میں
آدم و ابلیس کی کشمکشِ بے خروش ۔ خاک کو بدلیگی پھر، جوہرِ اکسیر میں
آدمِ قدسی نہاد، پائے گا اپنا سراغ ۔ عشق جہانتاب میں، عشق جہانگیر میں
سینوں میں ابھریگا پھر، ولولۂ لا الٰہ ۔ غوطہ لگائیں گے دل، آتشِ تکبیر میں
مرگ ہو یا زندگی، عشق کا ہے امتحاں ۔ فتنے ہیں سب آب و گِل، عشق کی تعمیر میں

عقل کا صیدِ زبوں، کر رہا ہے غسلِ خوں
پل رہا ہے خون میں، عشق کا جوشِ جنوں

مطبوعات جدیدہ

خدا کی باتیں، مرتبہ ومترجمہ مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نائب صدر جمعیۃ علمائے ہند دہلی تقطیع بڑی ضخامت ۲۹۸ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت: عا ر پتہ :- دینی بک ڈپو اردو بازار دہلی،

اصل عربی میں احادیث قدسی کے کئی مجموعے موجود ہیں ان میں سے بعض کا ترجمہ بھی اردو میں ہو چکا ہے، مولانا نے ان تمام مجموعوں سے انتخاب کرکے اور اس میں بعض احادیث قدسیہ بڑھا کر "خدا کی باتیں" کے نام سے اس کا ترجمہ کیا ہے اس لئے یہ مجموعہ گویا سب مجموعوں کا خلاصہ اور عطر ہے، جا بجا احادیث کے اجمال کی تشریح وتوضیح بھی کردی ہے، اس مجموعہ میں عقائد عبادات معاملات اخلاق اوامر ونواہی اور ترغیب وترہیب سے متعلق کئی سو صحیح احادیث قدسی ہیں بعض بعض ضعیف حدیثیں بھی شامل ہوگئی ہیں، جن کی کہیں کہیں تصریح کردی گئی ہے مولانا کے ترجمہ کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، دیندار مسلمانوں کے لئے یہ مجموعہ ایک قیمتی تحفہ ہے،

ہندوستان اور مسئلہ امارت } مؤلفہ مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی تقطیع بڑی ضخامت ۱۲۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت: ۱۲ ر پتہ: دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ،

مسلمانوں کی دینی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہندوستان میں امارت شرعیہ کے قیام کی ضرورت ایسی بدیہی ہو کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں

کے دوسرے اختلافی مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بن گیا ہو، اور کچھ لوگ امارت کے لئے سیاسی قوت کو ضروری شرط تصور کرکے ہندوستان میں اسے غیر ضروری سمجھتے ہیں، فاضل مؤلف نے اس کتاب میں کلام اللہ، احادیث نبوی، کتب فقہ، ائمہ وفقہار کے فتاوی اور اسلامی تاریخ سے امارت شرعیہ کی دینی اہمیت اور ہندوستان میں اس کے قیام کی ضرورت کو دکھایا ہے اور اس کے خلاف جو دلائل دیئے جاتے ہیں ان کی تشفی بخش تردید کی ہے کتاب کے شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے ایک مقدمہ ہے جو بجائے خود اس مسئلہ کی دینی حیثیت اور ضرورت پر ایک مفید تبصرہ ہے، جو لوگ اس کو دین ومذہب کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہیں انھیں ضرور یہ کتاب پڑھنی چاہئے،

دوسری جنگ عظیم، مؤلفہ: جناب محمد مرزا صاحب دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۱۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت: عہ ر پتہ: کتب خانہ علم وادب، دہلی،

آجکل ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جس سے موجودہ جنگ کے اسباب اور شروع سے اب تک اس کی پوری روداد معلوم ہو سکے، لائق مؤلف نے یہ کتاب لکھ کر اس ضرورت کو پورا کردیا، اس میں انیسویں صدی کے آغاز سے یورپ کی سیاست پر اس طرح تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اس زمانہ کے سیاسی نشیب وفراز اور اس سے پیدا شدہ نتائج گذشتہ جنگ عظیم، موجودہ جنگ کے اسباب اور ۱۵ رمئی ۱۹۴۱ء تک اس کی پوری روداد معلوم ہو جاتی ہے، یہ کتاب ہر شخص کے پڑھنے کے لائق ہے، خصوصاً جن لوگوں کو مسلسل اخبار دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوتا انھیں اسے ضرور پڑھنا چاہئے، اس میں اس جنگ کی مسلسل اور پوری تاریخ مل جاتی ہے،

محشر خیال از سجاد انصاری مرحوم تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۷ صفحے کاغذ کتابت و طباعت نفیس قیمت مجلد قسم اول ہے، قسم دوم ع۱ر غیر مجلد عا ر پتہ :- خان الیاس مجیبی

قرول باغ دہلی،

سجاد علی انصاری مرحوم بڑے ذہین، طباع اور خوش مذاق نوجوانوں میں تھے، ادب انشا
کا ان میں ابداعی ملکہ تھا، ان کی انشا، فلسفہ و شاعری کی لطیف آمیزش کا دلکش نمونہ ہے لیکن
افسوس ان کی جوانامرگی نے ان کی ادبی صلاحیتوں کو پھولنے پھلنے کا موقع نہ دیا اور ان کی
ادبی یادگار چند مضامین، ایک ناتمام ڈرامے اور چند نظموں اور غزلوں سے زیادہ نہیں ہے، مرحوم
کی وفات کے بعد خواجہ منظور حسین صاحب ایم اے نے "محشر خیال" کے نام سے ان مضامین کو مرتب
کیا تھا، اب پندرہ سولہ برس کے بعد اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اس میں ایک ناتمام
ڈرامے اور جناب آل احمد صاحب سرور کے مقدمہ کا اضافہ ہے، یہ مقدمہ اپنی جگہ پر خود ایک مستقل
چیز ہے، مرحوم کی ذہانت و طباعی تجدد اور انقلاب کی جانب منتقل ہو گئی تھی، چنانچہ وہ سوسائٹی
کے بہت سے مقرر کردہ حدود و قوانین کے خلاف اپنے جداگانہ نظریئے رکھتے تھے، ان کا مرکز
تصور حسنِ نسوانی اور ان کا مشرب خوش مذاقی اور زندہ دلی تھا، ان کے سارے خیالات
اسی مرکز کے گرد چکر لگاتے تھے جس سے ان کے بہت کم مضامین خالی ہیں ان کے خیالات رنگین
اور قلم شوخ نگار تھا اور اس کی جولانیاں مذہب کے حریم قدس تک پہنچ جاتی ہیں، اسی لئے
جابجا اُن کے خیالات مذہب سے متصادم نظر آتے ہیں، لیکن ان کے بعض سنجیدہ مضامین سے اندازہ
ہوتا ہے کہ اس میں سوے عقیدہ سے زیادہ شوخ نگاری کو دخل تھا، درحقیقت یہ مضامین اس
دورِ زندگی کے ہیں جب انسان رنگین تصورات کی دنیا میں مست رہتا ہے اور خیالات
کی آزادی اور اپج ہی کو ذہنی کارنامہ تصور کرتا ہے اور اگر علم و ذہانت کی مدد بھی اس میں شامل
ہو گئی تو ان خیالات میں علمی شان پیدا ہو جاتی ہے، یہی حال ان مضامین کا ہے، اگر مرحوم پختہ
عمر کو پہنچتے تو ان کا یہ رنگین فلسفہ بہت کچھ سنجیدگی سے بدل جاتا، پھر بھی چونکہ وہ فطرۃً ذہین تھے اسلئے

اس "محشر خیال" میں بھی کہیں کہیں "حقیقت" کی جھلک نظر آجاتی ہے جسے ادبی حکمت کا درجہ دیا جا سکتا
ہے، بہر حال یہ مجموعہ اپنے بعض خیالات سے قطع نظر ادبی حیثیت سے اردو ادب میں اختراعی درجہ رکھتا ہے

"م"

شمع۔ (ناول) مصنفہ اے۔ آر۔ خاتون دہلوی، ضخامت ۴۵۴ صفحے، لکھائی چھپائی اور
کاغذ عمدہ، قیمت: عہ، ملنے کا پتہ جلال منزل، کوچہ پنڈت، دہلی،

یہ ایک ناول ہے جس کو دہلی کی ایک پردہ نشین خاتون نے لکھا ہے، اور یہ اپنی زبان،
پلاٹ اور کردار نگاری کے لحاظ سے اردو کے بہت اچھے ناولوں میں شمار کیا جا سکتا ہے، اس
کی زبان شروع سے آخر تک شستہ، صاف اور سلیس ہے، تحریر میں کہیں گنجلک، تصنع اور آورد
نہیں، الفاظ وہی استعمال کئے گئے ہیں جو عام طور سے گھروں میں بولے اور سمجھے جاتے ہیں اور تعجب
یہ ہے کہ ۴۵۴ صفحے کی کتاب میں الفاظ اور جملوں کی ترکیب میں کہیں فارسی اضافت نہیں
پائی جاتی ہے، پلاٹ کے قصہ میں ہندوستانی گھروں کی مختلف قسموں کی معاشرت کی جیتی جاگتی
تصویر کھینچی گئی ہے، ایک طرف ایسے گھر کا مرقع ہے جو نئی تعلیم کے اوصاف سے آراستہ ہے اور
دوسری طرف ایسے گھر کے سبق آموز اور عبرتناک واقعات ہیں جو پرانی تہذیب کا مقلد ہے
مگر قصہ میں نئی تعلیم کی تجربات کو سراہا گیا ہے اور نہ پرانی تہذیب کے ہر پہلو کی خواہ مخواہ
تحقیر کی گئی ہے، بلکہ نئی اور پرانی تہذیب کے ملے جلے جلوؤں سے جو گھروں میں معاشرت اور
فضا پیدا ہو سکتی ہے ان کو اس طرح روشن کر کے دکھایا گیا ہے کہ وہ ہندوستانی گھروں کے نمونے
ہو سکتے ہیں، پھر اس میں کہیں پند و موعظت کا رنگ پیدا نہیں ہونے پایا ہے اور قصہ کا لطف
برابر قائم رہتا ہے، اور معاشرت کے تمام روشن پہلو خود بخود سامنے آجاتے ہیں، پلاٹ کی ایک
خوبی یہ بھی ہے کہ یہ شروع سے آخر تک مکالمے میں بیان ہوا ہے جو ناول نگاری کا بہت ہی
مشکل فن ہے، مکالمے کی گفتگو بڑی سلیس اور بے تکلفانہ ہے، پلاٹ کے زیادہ واقعات گھر

کی چار دیواری کے اندر ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہو بہو ہندوستانی نفسیات اور معاشرت کے مطابق ہیں، ان خصوصیات کے ساتھ ایک ناول میں جو رومانی اور حیرت انگیز واقعات ہونے چاہئیں، ان سے بھی یہ ناول خالی نہیں، شمع اور منصور کی محبت و الفت میں عشق کے سارے کرشمے موجود ہیں، بے قراری، جاں سوزی، مایوسی اور آخر میں محبت کی فتح و کامرانی، مگر ان سب کے حدود متعین ہیں، ہیرو اور ہیروئن کے حرکات و سکنات میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو ہندوستانی شریف گھرانوں کے بلند معیارِ تہذیب سے گری ہوئی ہو، مصنف نے ہیروئن کے باپ اختر حسن کی موت کے بعد پھر اس کو جس طرح زندہ کیا ہے وہ پلاٹ کا بہت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز واقعہ ہے، ناول کے کردار کے متعلق خود مصنف کا اپنا کوئی بیان نہیں ہے، پوری کتاب میں شاید ہی ان کے قلم سے دو چار جملے ایسے ملین گے جن سے کسی فرد کی اچھائی یا برائی ظاہر ہوتی ہو، مکالمے اور پلاٹ کے واقعات سے اشخاص کے کیرکٹر خود بخود ذہن نشین ہوتے جاتے ہیں، جو ناول نگاری کا بڑا وصف ہے، شمع (ہیروئن) منصور (ہیرو) حلیمہ خانم قمر الحسن، اور طاہر کی سیرت کے مختلف پہلو بہت کامیابی کے ساتھ دکھائے گئے ہیں، طاہر کی ظرافت کا معیار شروع سے آخر تک یکساں قائم رہتا ہے، ممکن نہیں کہ اس کے جملوں اور فقروں سے لبوں پر مسکراہٹ نہ آجائے، اور یہ مسلسل ظرافت کہیں گراں نہیں گذرتی،

میری دنیا از جناب سید عقیل احمد صاحب جعفری، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲، صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، یہ غالباً مصنف خیرآباد ضلع سیتاپور سے ملیگی،

مصنفِ کتاب موروثی شاعر اور مذہب و ملت کا درد رکھنے والے مسلمان ہیں، انکی شاعری کا موضوع قومیات ہے، میری دنیا انکی قومی و سیاسی نظموں کا مجموعہ ہے، اس میں زیادہ تر سیاسی اور بعض تاریخی اور مذہبی نظمیں ہیں، ان میں شاعری کے مقابلہ میں واقعہ نگاری کو ترجیح دی گئی ہے، تاریخی اور مذہبی نظمیں زیادہ مؤثر ہیں، "م ع"

جلد ۴۸ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۱ء عدد ۴

مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
شذرات	سید سلیمان ندوی	۲۴۲-۲۴۴
موجودہ ہندوستان میں کاشتکاروں کے حقوق،		۲۴۵-۲۵۵
تیموری شاہزادوں کا علمی ذوق،	سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ایم اے رفیق دار المصنفین	۲۵۶-۲۷۱
حافظ جلال الدین سیوطی،	مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین	۲۷۲-۲۸۲
محسن کاکوروی اور ان کی خصوصیات،	جناب محمد ابو اللیث صاحب صدیقی بدایونی ایم اے لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی علیگڈہ	۲۸۳-۲۹۷
مغل یا مونگل،	جناب شیخ عنایت اللہ صاحب بی اے دہلوی	۲۹۸-۳۰۷
اخبار علمیہ،	"ص ع"	۳۰۸-۳۱۱
وعظ جدید،	جناب آسد ملتانی،	۳۱۲
ماتم فانی،	جناب یحیی اعظمی،	۳۱۲-۳۱۳
شور نشور،	جناب نشور واحدی	۳۱۳-۳۱۴
حشر جذبات،	جناب ثاقب کانپوری،	۳۱۴
مطبوعات جدیدہ،	"م"	۳۱۵-۳۲۰